

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

(۵) انبیاء کرام علیہم السلام اور قادیانیت:

اس پمفلٹ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں قادیانیوں کے کفریہ عقائد اور پیغمبروں کی شان میں کی گئی توہین وتحقیر کو آشکارا کیا گیا ہے۔

(۶) قادیانی جماعت کے عقائد:

یہ چار ورقی پمفلٹ ہے جس میں منافی اسلام قادیانی عقائد کو ذکر کر کے واضح کیا گیا ہے کہ قادیانیت کا اسلام سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے بلکہ یہ دین اسلام کو مٹا کر ایک نیا دین و مذہب ایجاد کرنے کی خطرناک سازش ہے۔

(۷) مرزا اور اس کے ماننے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں (اردو):

(۸) مرزا غلام احمد اور اس کے سمرتھک اسلامی کی پردھی سے باہر (ہندی)

قادیانی جماعت کے کفر پر عالم اسلام کے تمام مکاتب فکر کے علماء ومفتیان اور اداروں کے فتاوی اس میں درج ہیں۔

(۹) مرزا قادیانی کا جھوٹ اس کی تحریرات کی روشنی میں (اردو):

(۱۰) مرزا قادیانی کا جھوٹ خود اس کے لیکھوں پرکاش میں (ہندی)

یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہندی واردو زبان میں ایک ورقی پمفلٹ ہیں جن میں مرزا کے کذبات خود اس کی تحریرات کی روشنی میں نقل کئے گئے ہیں۔

نوٹ: مندرجہ بالا سبھی رسائل ''اظہار البطلان'' کے علاوہ مفت مہیا ہیں، رد قادیانیت پر مطالعہ کا ذوق رکھنے والے حضرات دس روپئے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر دفتر سے مفت حاصل کریں اور اہل خیر حضرات اس کی اشاعت میں شرکت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

شعبۂ نشرواشاعت مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

فون نمبر:0132-2655542 فیکس نمبر:0132-2659912

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۱

شمارہ نمبر ۲

زر تعاون

فی شمارہ ـــــ ۱۵ روپے

سالانہ زر تعاون ـــــ ۱۵۰ روپے

بیرونِ ملک سالانہ ـــــ ۲۵ ڈالر

بابت

رجب المرجب ـــــ ۱۴۳۶ھ

مئی ـــــ ۲۰۱۵ء

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001 (U.P.) INDIA
Ph. 0132-2655542 Fex. 0132-2659912
Email- jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ	نوائے سحر	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳
درس قرآن	قرض: فضائل ومسائل (۴)	مولانا محمد ساجد حسن مظاہری	۷
انوار حدیث	ایمانی خصلتیں	مولانا محمد خالد سعید اعظمی	۱۲
مقالات و مضامین	مدارس کے نئے کردار	مولانا اسرار الحق قاسمی	۱۸
	گھر کا سربراہ کون؟	محمد قمر الزماں ندوی	۲۳
	ذبیحہ قانون	مولانا عبدالحمید نعمانی	۲۸
	اعتدال: حقیقت واہمیت	مولانا محمد معاویہ سعدی	۳۳
	اردو صحافت کے انمول رتن	شاہد زبیری	۴۱
	فتاوی	دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی	۴۶

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

ادار یہ

نوائے سحر

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مسلمانوں کی قوت، ترقی اور کامرانی کا راز دینی احکامات میں ان کے رسوخ اور اعلیٰ اخلاق وکردار میں پوشیدہ ہے، وہ جس قدر اپنے دین کے پابند اور اس کے اصولوں کے علمبردار ہوں گے، ترقی وکامرانی کے زینے طے کرتے رہیں گے، اسی طرح اس کے برعکس صورتحال بھی ہوگی یعنی جس قدر دین سے ان کا تعلق کمزور ہوگا اس کے اصولوں سے دور ہوں گے اسی قدر پسماندہ ہوں گے، اور مختلف حوادثات کا شکار رہیں گے، وہ تنگی اور بدحالی میں مبتلا ہوں گے اور محکومیت ومغلوبیت ان کا مقدر ہوگا۔

ہندوستان کے موجودہ ماحول میں جبکہ ایک طرح سے مسلمان ذہنی طور پر غیروں سے سراسیمہ اور ہراساں ہیں، خاص طور سے جب سے ایک نئی ذہنیت برسر اقتدار ہوئی ہے اس کے بعد سے حالات مسلمانوں کے حق میں بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں، اور دن بہ دن اس میں اضافہ ہونے کے امکانات بڑھتے ہی جارہے ہیں، یہ خدشہ ملک کے کونے کونے میں مزید بڑھ رہا ہے۔ جس کی زندہ مثال 19 جنوری 2015 کی خبر کے مطابق: پٹنہ: بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت آنے کے بعد بھارت میں مسلمانوں پر زندگی تنگ کردی گئی ہے اور انتہا پسند ہندوؤں نے چار مسلمانوں کو زندہ جلاتے ہوئے درجنوں گھروں کو آگ لگادی۔ اسی طرح گذشتہ سال معصوم وبے گناہ پونے کے آئی ٹی پروفیشنل ۲۸ سالہ محسن صادق شیخ کو لاٹھی اور ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر قتل کرنا ہے جس کو محض ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہندو راشٹریہ سینا کے غنڈوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ گذشتہ ایک سال کے اندر اندر اس

طرح کے کئی واقعات رونما ہو چکے ہیں جس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ افراد اور کچھ تنظیمیں ایسی ہیں جو سراسر ہندوستانی قانون و آئین سے کھلواڑ کر رہی ہیں اور ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں حائل اور رکاوٹ ہیں۔

یہ نفرت سیاسی لیڈران کی دین ہے جنہیں ووٹ کے لئے کچھ بھی کرنا ہوتا ہے، چاہے ہندو مسلمان کے درمیان خلیج پیدا کرنا ہو یا ہندو نوجوانوں کے ذہن میں مسلمانوں کے خلاف زہر بھرنا ہو، وہیں دوسری طرف جانب دار میڈیا کا بھی اہم کردار ہے جو مسلم نوجوانوں کی غیر قانونی گرفتاری کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ جیسے مسلم نوجوان ہی دہشت گرد ہیں، اور جہاں ہندو نوجوان پکڑے جاتے ہیں اس خبر کو یکسر دبا دیا جاتا ہے گویا وہ کچھ کرتے ہی نہیں ہیں۔

اس طرح کے ماحول اور حالات میں اگر مسلمان اپنا فرض منصبی ادا کرنا شروع کردیں تو یہ غیر مسلموں کی نفرت و بغاوت کا تیور محبت و مودت میں بدل سکتا ہے، جیسے ایک خبر کے مطابق سابق مرکزی وزیر گوپی ناتھ منڈے کی آخری رسومات کے دوران بہت سے مسلم نوجوانوں نے لوگوں کے درمیان پانی اور ریفریشمنٹ (ناشتہ) انسانیت کے ناطے تقسیم کیا جو اپنے آپ میں ایک اسلامی اخلاق کا اعلی نمونہ ہے۔ اسی طرح ایک دیگر واقعہ میں مسلم نوجوان کو ایک بس کے کنڈکٹر نے ٹکٹ دینے کے ساتھ ایک روپیہ زیادہ دے دیا، جب وہ مسلم نوجوان بس سے اترنے کے بعد پیسہ دیکھتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ کنڈکٹر نے اسے ایک روپیہ زیادہ دیدیا ہے۔ اس کے اندر اسلامی احساس پیدا ہوتا ہے کہ ایک روپیہ واپس کردینا چاہئے وہ بس کے کنڈکٹر کو ایک روپیہ واپس کردیتا ہے۔ کنڈکٹر کہتا ہے کہ میں مسلمان ہونے جا رہا تھا اور یہ ایک روپیہ زیادہ دیکر آپ کو آزما رہا تھا کہ دیکھیں کہ مسلمان کیسے ہوتے ہیں؟ اسلام کیسا ہوتا ہے؟ جو میں نے اسلام کے بارے میں سنا ہے کیا واقعی صحیح ہے یا بس سنی سنائی باتیں ہیں، اب میں سمجھ گیا کہ اسلام واقعتا اچھا دین ہے۔ وہ مسلم نوجوان یہ سب دیکھ کر سوچنے لگتا ہے اگر میں

آج ایک روپیہ رکھ لیتا اور اسے واپس نہیں کرتا تو اس کے دل میں اسلام اور مسلمان کے بارے میں نفرت پیدا ہو جاتی، اور وہ کبھی ایمان نہیں لاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور اس کی حقیقی تعلیمات میں انسانی طبائع کو اپیل کرنے والی تعلیمات اور فطری تقاضوں کی تکمیل موجود ہے، اگر صحیح انداز سے اسلام اور اس کی صحیح و سچی تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی جائے تو اسلام کی اثر آفرینی آج بھی باقی ہے، اگر چہ ذرائع ابلاغ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے میں مصروف ہیں، ان کے ملکی قوانین میں آئے دن سختیاں پیدا ہوتی جا رہی ہیں، لیکن ہمیں یقین ہے کہ دشمنان اسلام کی ان دورخی پالیسیوں کے باوجود اسلام کی سربلندی اور اہل اسلام کی سرخ روئی میں کوئی رکاوٹ نہ آسکے گی۔

اگر ہم اپنے اوپر اسلام کو نافذ کریں اور اپنے کردار اور افعال میں اس کے اخلاقی کمالات اور ایمانی حقائق کا مظاہرہ کریں تو دوسرے مذاہب کے پیروکار اسلام کے دامن میں گروہ در گروہ داخل ہوں گے، اس لئے کہ بنی نوع انسانی نے جہالت کی بدترین تکلیفیں جھیلی ہیں اور اس نے انسان کی حقیقت و ماہیت کا پتہ چلا لیا ہے۔ اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی مذہب کے یونہی زندگی گذارے، بلکہ جو لوگ بڑے ملحد اور دشمن دین بنتے ہیں وہ بھی آخر میں خواہی نخواہی مذہب کا سہارا لیتے ہیں کیونکہ انسان مختلف قسم کے مصائب و آفات کا شکار ہے۔ بیرونی اور اندرونی حالات میں ہر طرف سے دشمنوں کی یلغار کا اسے سامنا ہے جب کہ وہ عاجز و درماندہ ہے، وسائل سے محروم ہے اور اس کی ضروریات لامحدود ہیں لیکن وہ محتاج اور ضرورت مند ہے اس کے لیے کوئی ملجا و ماویٰ اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ اس دنیا کے خالق کی معرفت حاصل کرے اس پر ایمان لے آئے اور آخرت کی تصدیق کرے۔ اس سے اس کی لامحدود آرزوئیں اور لامتناہی خواہشات پوری ہوسکتی ہیں اور جہالت کی بیہوشی سے بیمار انسانیت کے لیے کوئی راہ نجات اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ خالق

حقیقی کا اعتراف واقرار کرے۔

مسلمانو! ہمارا دین ایک مکمل دین ہے، اس میں نہ اضافہ کی گنجائش ہے اور نہ کمی کرنے کی اجازت ہے، اس کے دائرے میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لئے ہے، اور اس دائرے سے باہر نکلئے تو محض دنیا ہے، جو ہمارے مقصود وموضوع کے خلاف ہے، اللہ کی خوشنودی اسی دائرے میں ہے جسے شریعت نے متعین کردیا ہے، اس کے باہر کوئی چیز قابل قبول نہیں ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَام، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے نزدیک دین محض اسلام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی دین لائق اعتنا نہیں ہے۔ فرمایا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْن (آل عمران: ۸۵) جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا، وہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور ایسا شخص آخرت میں خائب وخاسر ہوگا۔ پس اے اللہ پر اور دین اسلام پر ایمان رکھنے والو! اس ایک دین کے علاوہ کسی اور طریقے کی طرف نظر نہ اٹھاؤ، اسی میں عزت ہے، اسی میں بلندی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے حق میں خاص طور سے اور پورے ہی دنیا کے مسلمانوں کے حق میں عام طور سے حالات تو اتنے زیادہ خطرناک نہیں ہوئے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تھے کہ ہر طرف مشرک ہی مشرک کوئی اللہ وحدہ لاشریک کا نام لینے والا نہیں، معمولی باتوں پر ایسے ایسے جھگڑے اور فساد، لوٹ مار کہ پشتوں اور خاندانوں تک یہ جھگڑے ہوا کرتے تھے، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی، نور کی معمولی کرن بھی نظر نہیں آتی تھی، ایسے حالات میں نبی صلی اللہ علیہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا راستہ اپنایا؟ اور اس جھگڑے اور فساد، گھٹا ٹوپ تاریکی کو دور کرنے کے لئے کیا طریقہ اپنایا؟ وہ تمام واقعات اور نمونے ایک مومن کے لئے مشعل راہ ہیں جسے اپنا کر آج کے حالات کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، اور وہ اسوہ ونمونہ غیر مسلموں کے درمیان پیش کرکے ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے محبت پیدا کی جاسکتی ہے۔

درس قرآن

چوتھی قسط

قرض فضائل ومسائل

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری، استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

اوراگر کوئی تنگ دست ہے تو اسے مہلت دینی چاہئے سہولت ہونے تک اوراگر معاف کروتو بہت ہی بہتر ہے اگرتم کو علم ہے، اوراس دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اوران پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔

شان نزول:

زمانہ جاہلیت میں سودی کاروبار کارواج تھا، غرباء اورضرورت مندوں کو اگر قرض کی ضرورت پڑتی تو رؤسا اور ساہوکاروں سے بیاج پر قرض لیتے اور جب وقت مقررہ پر ادا نہ کرپاتے تو سود پر سود لگادیا جاتا، بیاج پر بیاج چڑھ جاتا۔

بہی خواہ انسانیت اور فطری مذہب ''اسلام'' نے سود کو حرام قرار دیا، البتہ مقروض سے اپنا اصلی مال دیا ہوا قرض واپس لینے کی اجازت دی ہے۔

اس زمانہ میں بقول ''کلبی'' بنوعمرو بن عمیر کا بنومغیرہ پر قرض تھا اور دونوں قبیلے مسلمان،----قرض کی ادائیگی میں جو سہولتیں دی جاتی تھیں سود بیاج کی خاطر، اب وہ لالچ بھی باقی نہ رہا۔ اس لئے بنوعمرو نے بنومغیرہ سے سختی سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا----بنو مغیرہ نے اپنی تنگی کی شکایت کی اور فصل اور غلہ کی آمد تک مہلت مانگی (نَحْنُ الْيَوْمَ أَهْلُ عُسْرَةٍ إِلَى أَنْ تُدْرَكَ الثَّمَرَةُ، اسباب النزول للواحدی ۹۶/۱) جسے قرض خواہ بنوعمرو نے نامنظور کردیا، اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

قرض لیتے وقت ادائیگیٔ قرض کی نیت

اور جو آدمی قرض لیتے وقت ادائیگی کی نیت رکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ پردۂ غیب سے ادائیگی کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔

کوشش پر اللہ کی مدد:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا: جس نے بنی اسرائیل کے ایک دوسرے آدمی سے ایک ہزار دینار قرض مانگے۔ انہوں نے کہا کہ پہلے ایسے گواہ لا جن کی گواہی پر مجھے اعتبار ہو۔ قرض مانگنے والا بولا کہ گواہ تو بس اللہ ہی کافی ہے، اس نے کہا کہ اچھا کوئی ضامن لا۔ قرض مانگنے والا بولا کہ ضامن بھی اللہ ہی کافی ہے۔ اس نے کہا کہ تو نے سچی بات کہی۔ چنانچہ اس نے ایک مقررہ مدت کے لیے اس کو قرض دے دیا۔ یہ صاحب، قرض لے کر دریائی سفر پر روانہ ہوئے اور پھر اپنی ضرورت پوری کر کے کسی سواری (کشتی وغیرہ) کی تلاش کی تاکہ اس سے دریا پار کر کے اس مقررہ مدت میں قرض دینے والے کے پاس پہنچ سکے جو اس سے طے پائی تھی۔ (اور اس کا قرض ادا کردے) لیکن کوئی سواری نہیں ملی۔ آخر ایک لکڑی لی اور اس میں سوراخ کیا۔ پھر ایک ہزار دینار اور ایک (اس مضمون کا) خط کہ اس کی طرف سے قرض دینے والے کی طرف (یہ دینار بھیجے جارہے ہیں) اور اس کا منہ بند کردیا۔ اور اسے دریا پر لے آیا، پھر کہا، اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لیے تھے۔ اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہہ دیا تھا کہ میرا ضامن اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بھی تجھ پر راضی ہوا۔ اس نے مجھ سے گواہ مانگا تو اس کا بھی جواب میں نے یہی دیا کہ اللہ پاک گواہ کافی ہے تو وہ تجھ پر راضی ہوگیا اور (تو جانتا ہے کہ) میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی سواری ملے جس کے ذریعہ میں اس کا قرض اس تک (مدت مقررہ میں) پہنچا سکوں۔ لیکن مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لیے اب میں اس کو تیرے ہی حوالے کرتا ہوں (کہ تو اس تک پہنچا دے) چنانچہ اس نے وہ لکڑی جس میں رقم تھی دریا میں ڈال دی، اور وہ صاحب (قرض دار) واپس ہو گئے، اگرچہ فکر اب بھی یہی تھا کہ کس طرح کوئی جہاز ملے۔ جس

کے ذریعہ وہ اپنے شہر میں جاسکیں۔ دوسری طرف وہ صاحب جنہوں نے قرض دیا تھا اسی تلاش میں (بندرگاہ) آئے کہ ممکن ہے کوئی جہاز ان کا مال لے کر آیا ہو۔ لیکن وہاں انہیں ایک لکڑی ملی۔ وہی جس میں مال تھا۔ انہوں نے لکڑی اپنے گھر میں ایندھن کے لیے لے لی۔ لیکن جب اسے چیرا تو اس میں سے دینار نکلے اور ایک خط بھی نکلا۔ (کچھ دنوں کے بعد جب وہ صاحب اپنے شہر آئے) تو قرض خواہ کے گھر آئے۔ اور (یہ خیال کر کے کہ شاید وہ لکڑی نہ مل سکی ہو دوبارہ) ایک ہزار دینار ان کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اور کہا کہ قسم اللہ کی! میں تو برابر اسی کوشش میں رہا کہ کوئی جہاز ملے تو تمہارے پاس تمہارا مال لے کر پہنچوں لیکن اس دن سے پہلے جب کہ میں یہاں پہنچنے کے لیے سوار ہوا۔ مجھے اپنی کوششوں میں کامیابی نہیں ہوئی۔ قرض دینے والے نے پوچھا اچھا یہ تو بتاؤ کہ کوئی چیز کبھی تم نے میرے نام بھیجی تھی؟ مقروض نے جواب دیا بتا تو رہا ہوں کہ ایک لکڑی میں سوراخ کر کے اس میں آپ کی امانت اور ایک خط لکھ کر اللہ کے حوالے کرتے ہوئے سمندر میں ڈال دیا تھا اور خود پہونچ نہیں سکا کیونکہ کوئی جہاز مجھے اس جہاز سے پہلے نہیں ملا جس سے میں آج پہنچا ہوں۔ اس پر قرض خواہ نے کہا کہ پھر اللہ نے بھی آپ کا وہ قرضا ادا کر دیا۔ جسے آپ نے لکڑی میں بھیجا تھا، اس لئے آپ موجودہ مال کو واپس لے جائیں گے۔ چنانچہ وہ صاحب اپنا ہزار دینار لے کر خوش خوش واپس لوٹ گئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، سَأَلَ بَعْضَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يُسْلِفَهُ أَلْفَ دِينَارٍ، فَقَالَ: ائْتِنِي بِالشُّهَدَاءِ أُشْهِدُهُمْ، فَقَالَ: كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا، قَالَ: فَأْتِنِي بِالْكَفِيلِ، قَالَ: كَفَى بِاللَّهِ كَفِيلًا، قَالَ: صَدَقْتَ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، فَخَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَقَضَى حَاجَتَهُ، ثُمَّ الْتَمَسَ مَرْكَبًا يَرْكَبُهَا يَقْدَمُ عَلَيْهِ لِلْأَجَلِ الَّذِي أَجَّلَهُ، فَلَمْ يَجِدْ مَرْكَبًا فَأَخَذَ خَشَبَةً، فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِيهَا أَلْفَ دِينَارٍ وَصَحِيفَةً مِنْهُ إِلَى صَاحِبِهِ، ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَا، ثُمَّ أَتَى بِهَا إِلَى الْبَحْرِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا أَلْفَ دِينَارٍ فَسَأَلَنِي كَفِيلَا، فَقُلْتُ: كَفَى بِاللَّهِ كَفِيلًا، فَرَضِيَ بِكَ وَسَأَلَنِي شَهِيدًا، فَقُلْتُ: كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا فَرَضِيَ بِكَ، وَإِنِّي جَهَدْتُ أَنْ

أَجِدَ مَرْكَبًا أَبْعَثُ إِلَيْهِ الَّذِي لَهُ فَلَمْ أَقْدِرْ، وَإِنِّي أَسْتَوْدِعُكَهَا فَرَمَى بِهَا فِي الْبَحْرِ، حَتَّى وَلَجَتْ فِيهِ، ثُمَّ انْصَرَفَ وَهُوَ فِي ذَلِكَ يَلْتَمِسُ مَرْكَبًا يَخْرُجُ إِلَى بَلَدِهِ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ أَسْلَفَهُ يَنْظُرُ، لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جَاءَ بِمَالِهِ، فَإِذَا بِالْخَشَبَةِ الَّتِي فِيهَا الْمَالُ فَأَخَذَهَا لِأَهْلِهِ حَطَبًا، فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِيفَةَ، ثُمَّ قَدِمَ الَّذِي كَانَ أَسْلَفَهُ فَأَتَى بِالْأَلْفِ دِينَارٍ، فَقَالَ: وَاللَّهِ مَا زِلْتُ جَاهِدًا فِي طَلَبِ مَرْكَبٍ لِآتِيَكَ بِمَالِكَ، فَمَا وَجَدْتُ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِي أَتَيْتُ فِيهِ، قَالَ: هَلْ كُنْتَ بَعَثْتَ إِلَيَّ بِشَيْءٍ؟ قَالَ: أُخْبِرُكَ أَنِّي لَمْ أَجِدْ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِي جِئْتُ فِيهِ، قَالَ: فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ أَدَّى عَنْكَ الَّذِي بَعَثْتَ فِي الْخَشَبَةِ، فَانْصَرِفْ بِالْأَلْفِ الدِّينَارِ رَاشِدًا" (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۲۹۱)

قرض دینے والے کا شکر اور دعا

قرض دینے والے کا مقروض پر احسان ہے، قرض کی ادائیگی کے وقت بھی اسی شائستگی، متانت، سنجیدگی، کا مظاہرہ ہونا چاہئے جو اپنی ضرورت اور قرض لیتے وقت تھی، بلکہ اب جذبات تشکر وامتنان، بھی ہونے چاہئیں، جس کا مظہر یہ ہے کہ مقروض جب قرض ادا کرے تو اسے قرض دینے والے کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے اور مال میں برکت کی دعا بھی۔

عبداللہ بن ابی ربیعہؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار درہم ایک مرتبہ بطور قرض لئے، جب آپؐ کے پاس بہت سا مال آیا تو آپؐ نے وہ تمام مال یا چالیس ہزار مقدار قرض مجھے اس میں سے عنایت فرمائے، اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت عنایت فرمائے، خصوصاً تمہارے اہل وعیال اور مال میں، قرض کا بدلہ شکر ادا کرنا اور قرض ادا کرنا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَۃَ قَالَ اِسْتَقْرَضَ مِنِّیْ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِیْنَ اَلْفًا فَجَاءَہٗ مَالٌ فَدَفَعَہٗ اِلَیَّ وَقَالَ بَارَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ اَھْلِکَ

وَمَالِکَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ۔ (سنن النسائی ۴۶۸۳)

قرض ادانہ کرنے کی سزا:

شریعت مطہرہ نے بندوں کی ضرورت کے پیش نظر قرض دینے کی ترغیب دی ہے اور پھر تنگدستی کی صورت میں مہلت دینے کی فضیلت بھی بیان فرمائی اور اگر کوئی قرض لے کر ادا نہ کرے تو یہ گناہ کبیرہ ہے، تصویر کے اس رخ کو بھی ذرا ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت ابوموسیٰؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جن کاموں کے کرنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے ان میں سب سے بدتر گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ذمہ قرض کر کے مرجائے اور قرض کی ادائیگی کے ذرائع بھی نہ ہوں۔

وَعَنْ اَبِی مُوْسیٰ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَاللّٰہِ اَنْ یَلْقَاہُ بِھَاعَبْدٌ بَعْدَ الْکَبَائِرِ الَّتِیْ نَھَی اللّٰہُ عَنْھَا اَنْ یَمُوْتَ رَجُلٌ وَعَلَیْہِ دَیْنٌ لَایَدَعُ لَہُ قَضَاءً۔ (رواہ احمد ۴/ص، ۳۹۲)

جنت میں داخلہ

حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص رات کو یا دن کو سورہ حشر کی آخری آیات پڑھے گا اور اس رات میں یا دن میں اس کی روح قبض کر لی جائے گی تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔

عن أبی أمامة الباهلی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ قَرَأَخَوَاتِیْمَ الْحَشْرِ فِیْ لَیْلَةٍ أَوْ نَهَارٍ فَمَاتَ مِنْ یَوْمِهٖ أَوْ لَیْلَتِهٖ فَقَدْ أَوْجَبَ الْجَنَّةَ۔

(شعب الایمان للبیہقی رقم الحدیث ۲۲۷۱) (تفسیری خطبات جلد اول)

انوار حدیث

گذشتہ سے پیوستہ

ایمانی خصلتیں

مولانا محمد خالد سعید اعظمی استاذ جامعہ مظاہرعلوم سہارنپور

شراب اکبرالکبائر اور ام الفواحش ہے

عن ابن عباس رضي الله عنه قال سمعتُ رسولَ الله صلی الله علیه وسلم یقول: الخمرُ أمُّ الفواحشِ وأکبرُ الکبائرِ مَنْ شَرِبَها وَقَعَ علی أمِّهِ وخالتِهِ وعمَّتِه۔

(رواه الطبراني فی الکبیر ۱۱/۱۶۴/رح ۱۱۳۷۲)

قال الهیثمی فی المجمع ۶۷/۵: فیه عبدالکریم أبو أمیة وهو ضعیف۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: شراب ام الفواحش (گناہوں اور بے حیائیوں کی جنم داتا) اور سب سے بڑا گناہ ہے، جو شخص شراب پیتا ہے وہ اپنی ماں، اپنی خالہ اور اپنی پھوپھی کے ساتھ منہ کالا کرتا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے متعلق فرمایا کہ: هي أکبرُ الکبائرِ وأمُّ الفواحشِ ومَنْ شَرِبَ الخمرَ ترَکَ الصلاةَ ووَقَعَ علی أمِّهِ وعمَّتِهِ وخالتِهِ۔ (رواه الطبرانی فی الکبیر ۱۱/رقم الحدیث ۱۴۷۴۰)

شراب سب سے بڑا گناہ ہے اور ام الفواحش ہے، اور جو شخص شراب پیتا ہے وہ نماز چھوڑتا ہے اور اپنی ماں، پھوپھی اور خالہ کے ساتھ منہ کالا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں شراب کو اکبرالکبائر یعنی کبیرہ گناہوں میں بھی سب سے بڑے اور سب سے عظیم گناہوں میں سے بتایا گیا ہے، اور اس کو ام الفواحش قرار دیا گیا ہے، یعنی شراب بہت سی برائیوں، گندگیوں اور گناہوں کا سرچشمہ ہے اس کی وجہ سے بے شمار مفاسد وجود

میں آتے ہیں، آدمی کو اللہ کی یاد اور نماز جیسی اہم عبادت سے غافل بنا دیتی ہے، اور عقل پر ایسا پردہ ڈال دیتی ہے کہ آدمی مجنون اور پاگلوں جیسا بن جاتا ہے، غیرت وحمیت اس سے رخصت ہوجاتی ہے، اور بے غیرتی کی تو اس وقت انتہا ہی ہوجاتی ہے جب وہ اپنی ہی ماں اور بیوی میں فرق نہیں کر پاتا، اور ماں، پھوپھی، خالہ کے ساتھ منہ کالا کر بیٹھتا ہے، اور ان مقدس رشتوں کو تار تار کر ڈالتا ہے، اور اسے ان عورتوں میں اور بیوی یا اجنبیہ عورت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، اسی بات کو مذکورہ بالا حدیث شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے، اور لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ شراب جیسی گندی چیز سے دور رہیں کہ مبادا وہ ان گندی حرکتوں میں مبتلا نہ ہوجائیں۔

آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ شراب کے مفاسد کا سلسلہ کس قدر دراز ہے، شراب نے کتنی جنگیں بھڑکا دیں، کتنی لڑائیاں اور خصومتیں کرادیں، کتنے مالداروں کو فقیر بنادیا، کتنے عزت والوں کو ذلیل کردیا، کتنے شریف اور معزز لوگوں کو ذلیل اور بے حیثیت بنادیا، کتنی نعمتوں سے محروم کردیا، کتنی مصیبتیں سر پر لا کھڑا کردیں، کتنے گھروں میں معصوم بچوں اور بے قصور عورتوں کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کردیا، کتنے میاں بیوی میں جدائیگی کرادی، کتنے لوگوں کی صحتوں کو برباد کردیا، اور کتنے لوگوں کو موت کے منہ میں پہونچادیا، بہرحال اس کی قباحتیں اور آفتیں بے شمار ہیں اور اس کا انجام دنیا وآخرت دونوں جگہ ذلت وفضیحت اور حسرت وندامت ہے۔

ایک عابد کا عبرت آموز واقعہ

خلیفۂ راشد حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''اِجْتَنِبُوا الخمرَ فإنها أمُّ الخبائث'' ''تم لوگ شراب سے بچو، کیوں کہ وہ ام الخبائث ہے یعنی تمام خباثتوں اور گناہوں کو جمع کرنے والی ہے، اس کی وجہ سے آدمی بہت سے جرائم خصوصاً قتل وزنا جیسے عظیم جرم میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گذشتہ امتوں میں سے ایک شخص کا واقعہ سنایا آپؓ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص گذرا ہے جو بڑا عبادت گذار تھا، لوگوں سے

الگ تھلگ اپنی عبادت میں مشغول رہا کرتا تھا، ایک گمراہ عورت اس عابد کی محبت میں گرفتار ہوگئی اوراس کی عاشق ہوگئی، ایک دن اس بزرگ کو بلانے کے لئے اس نے اپنی باندی کو بھیجا اور بزرگ سے یہ کہلوایا کہ ہم آپ کو گواہی کے لئے بلا رہے ہیں، وہ بزرگ اس باندی کے ساتھ چل پڑے، جب اس عورت کے گھر پہنچے تو وہ بزرگ جیسے جیسے گھر کے دروازوں میں داخل ہوتے جاتے پیچھے سے وہ باندی اس دروازے کو بند کرتی جاتی، چلتے چلتے وہ ایک انتہائی خوب صورت عورت کے پاس پہونچے، اس عورت کے پاس ایک لڑکا اور شراب کا ایک برتن تھا، بزرگ کو دیکھ کر وہ عورت کہنے لگی، کہ بخدا میں نے آپ کو گواہی کے لیے نہیں بلایا ہے میں نے تو اس لیے بلایا ہے کہ آپ میرے ساتھ زنا کریں، یا ایک جام یہ شراب پئیں، یا اس لڑکے کو قتل کریں (وہ بزرگ عابد اس عورت کی بات سن کر بڑی کشمکش میں پڑ گئے، اور پھر زنا اور قتل کے مقابلے میں شراب کو ہلکا سمجھ کر) انھوں نے کہا کہ شراب کی ایک جام پلادو، اس عورت نے جب ایک جام شراب پلائی تو اب ان عابد بزرگ کو مزید طلب اور خواہش ہوئی کہنے لگے اور پلاؤ، اور پلاؤ، اور پھر اس شراب پینے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس جگہ سے ہٹنے سے پہلے اس عورت کے ساتھ زنا بھی کیا اور اس لڑکے کو قتل بھی کر دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے یہ واقعہ سنانے کے بعد فرمایا: ’’**فاجتنبوا الخمر فإنها و الله لايجتمع الإيمانُ وإدمانُ الخمرِ إلاليوشِكُ أن يُخرِجَ أحدُهما صاحبَه**‘‘ لہٰذا تم لوگ شراب سے بچو، کیونکہ ایمان اور شراب کی عادت ایک ساتھ جمع نہیں ہوتی مگر قریب ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو نکال دے، (نسائی شریف کتاب الأشربہ ۲/۳۳۰)

یعنی اگر شراب سے توبہ نہیں کی تو ایمان کے رخصت ہوجانے کا اندیشہ ہے، اور اگر توبہ کرلی تو ایمان نے شراب کو نکال دیا۔

ہاروت وماروت کا قصہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تبارک وتعالی نے جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو فرشتے کہنے لگے کہ

اے رب! کیا آپ زمین میں اس کو (اپنا خلیفہ) مقرر فرمارہے ہیں جو اس میں فساد پھیلائے اور خوں ریزی کرے؟ حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، فرشتوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہم بنی آدم کے مقابلے میں آپ کی زیادہ اطاعت وفرماں برداری کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا فرشتوں میں سے دو فرشتوں کو لے آؤ تاکہ ان کو زمین میں اتارا جائے پھر ہم دیکھیں گے کہ وہ دونوں کیسا عمل کرتے ہیں، (تو فرشتوں نے اپنے میں سے دو انتہائی اطاعت گذار اور افضل فرشتوں کا انتخاب کیا اور) کہا کہ اے ہمارے رب یہ ہاروت اور ماروت ہیں (جن کو ہم نے منتخب کیا ہے) لہٰذا ان دونوں فرشتوں کو زمین میں اتارا گیا، (اور انسانوں کی طرح ان کے اندر شہوت اور خواہش رکھ دی گئی) اس کے بعد ان کے سامنے زہرہ (ایک ستارہ کا نام) کو سب سے زیادہ خوب صورت عورت کی صورت میں پیش کیا گیا، وہ عورت ان دونوں فرشتوں کے پاس آئی تو ان دونوں نے اس سے اس کے نفس کا سوال کیا، تو عورت نے کہا کہ نہیں، خدا کی قسم جب تک تم دونوں یہ شرکیہ کلمہ نہیں کہو گے میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے نہیں کروں گی، ان دونوں نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم کبھی بھی اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گے، تو وہ عورت ان کے پاس سے چلی گئی، پھر کچھ عرصہ بعد وہ ایک بچہ کو گود میں اٹھائے ہوئے آئی، تو ان دونوں فرشتوں نے پھر اس سے اس کی ذات کا سوال کیا، عورت نے کہا کہ نہیں بخدا یہاں تک کہ تم دونوں اس بچے کو قتل کردو، دونوں فرشتوں نے کہا کہ نہیں، اللہ کی قسم ہم اس بچے کو کبھی نہیں قتل کریں گے، تو وہ عورت چلی گئی، کچھ عرصہ بعد پھر وہ شراب کا ایک پیالہ لے کر آئی، پھر ان دونوں فرشتوں نے اس سے اس کی ذات کا سوال کیا، عورت نے جواب دیا کہ نہیں اللہ کی قسم یہاں تک کہ تم دونوں یہ شراب پی لو، تو ان دونوں فرشتوں نے شراب پی اور نشے میں چور ہو کر دونوں نے عورت کے ساتھ زنا کیا اور بچے کو قتل کردیا، پھر جب دونوں کو ہوش آیا تو عورت نے بتایا کہ تم دونوں نے نشے کے وقت میں اس میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی جس سے پہلے رک گئے تھے، پھر ان دونوں فرشتوں کو دنیا کے عذاب اور آخرت کے عذاب کے بیچ اختیار

دیا گیا تو ان دونوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کیا۔ (مسند احمد ۲؍ ۱۳۴، صحیح ابن حبان ۱۴؍ ۶۳)

اس حدیث کے رفع یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے پر علماء نے کلام کیا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کلام ہے بلکہ انھوں نے اس کو کعب احبار سے نقل کیا ہے۔ (۱)

---

(۱) قال الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ (۱؍۱۸۴) وأقرب مایکون فی ھذا أنہ من روایۃ عبداللہ بن عمر عن کعب الأحبار لا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قال عبدالرزاق فی تفسیرہ عن الثوري عن موسی بن عقبۃ عن سالم عن ابن عمر عن کعب الأحبار، (انظر تفسیر ابن کثیر سورۃ البقرۃ الآیۃ ۱۰۲، والبدایۃ والنھایۃ ۱؍۳۷)

وقال الحافظ ابن حجر فی القول المسدد في الذب عن المسند للإمام أحمد ص ۴۱: ولہ طرق کثیرۃ جمعتھا في جزء مفرد یکاد الواقف علیہ أن یقطع بوقوع ھذہ القصۃ لکثرۃ الطرق الواردۃ فیھا وقوۃ مخارج أکثرھا، واللہ أعلم۔)

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اس واقعے کو حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے کا ہے اور اس زمانے میں ایک عورت تھی جس کا حسن عورتوں میں ایسا تھا جیسا کہ زہرہ نامی ستارے کا حسن تمام ستاروں میں ہے۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ فھذا أقرب ما رُوِیَ فی شأن الزُہَرَۃ۔

اور البدایۃ والنھایۃ میں فرماتے ہیں کہ ھذا أحسن لفظ رُوِیَ فی ھذہ القصۃ۔ یعنی زہرہ کے معاملے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے ان میں سب سے بہتر اور قریب تر بات یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۱؍۱۸۶-۱۸۷، البدایۃ والنھایۃ ۱؍۳۷)

بہر حال اس قصے میں بھی ایمان والوں کے لئے بڑی عبرت وموعظت ہے کہ آدمی جس کام کو ہوش کی حالت میں انتہائی سخت جرم اور گناہ سمجھتا تھا اور اس کے ارتکاب کا تصور بھی اس کے لئے کوئی آسان بات نہیں تھی، مگر وہی شخص جب شراب پی کر مدہوشی اور نشے کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے لیے بڑے سے بڑا جرم بھی کوئی مشکل بات نہیں ہوتی، اور وہ ان تمام کاموں کو آسانی کے ساتھ کر گذرتا ہے جن کے قریب جانا بھی اسے پہلے گوارہ نہیں تھا، اسی وجہ سے ایک دوسری حدیث میں شراب کو شر کی کنجی کہا گیا ہے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ ''أوصاني خليلي صلى الله عليه وسلم لاتشرب الخمر فإنها مفتاح كل شر (ابن ماجہ ص ۲۴۱)

میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ شراب مت پیو، کیونکہ وہ ہر شر کی کنجی ہے، یعنی شراب کی وجہ سے ہر قسم کے شر، گناہ اور جرائم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اسی طرح حضرت خباب ابن الارت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: ''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اياک والخمرَ، فإن خطيئتَها تفرَعُ الخطايا كما أن شَجرَتَها تَفرَعُ الشَجرَ'' (ابن ماجہ ص ۲۴۱)

تم شراب سے بچو کیونکہ اس کا گناہ دیگر گناہوں سے زیادہ بڑھتا اور پھیلتا ہے، جیسا کہ اس کا درخت (یعنی انگور کی بیلیں) دوسرے درختوں سے زیادہ بڑھتی اور پھیلتی ہیں۔

اس لئے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی بھی مسلمان شراب کے قریب بھی نہ جائے۔

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

ملک کے موجودہ حالات میں

مدارس اسلامیہ کے نئے کردار کی ضرورت ہے

مولانا اسرار الحق قاسمی

آزادی کے بعد برصغیر کے تعلیمی نظام میں ثنویت اور دوئی کا جو تصور ابھر کر سامنے آیا، اس سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔ ایک تعلیمی نظام وہ تھا جس کی بنیاد سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ نے علی گڑھ میں رکھی اور دوسرا تعلیمی نظام وہ تھا جس کی سر پرستی سربراہی مولانا محمد قاسم نانوتوی اوران کے رفقاء نے کی جس کا مرکز مغربی یوپی ہی کا ایک قصبہ دیوبند قرار پایا۔ چند اختلافات کے ساتھ دونوں قائدین قوم کے پیش نظر جو مقصد تھا وہ ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی وزبوں حالی کو دور کرنا ہی تھا۔ سرسید انگریزی تعلیم سے دوری اور اس سے ناواقفیت کو مسلمانوں نے زوال کی وجہ سمجھتے تھے، سوانہوں نے علی گڑھ میں ''مدرسۃ العلوم'' قائم کیا (جو بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ڈھل گیا اور اسی نام سے مشہور ہوا) اور اس میں تمام وہ علوم وفنون شامل کئے جو مسلمان اور انگریزوں کے درمیان تفاہم کی راہ ہموار کرنے میں معاون ہوسکتے تھے جب کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے رفیقوں نے دیوبند میں جو ''مدرسۂ عربی اسلامی'' قائم کیا (جو بعد میں دارالعلوم دیوبند اور از ہر ہند کے نام سے مشہور ہوا)، اس میں بنیادی طور پر قدیم اسلامی علوم و فنون کو ترجیح دی گئی اورانہی کو شامل کیا گیا۔

جوں جوں ہندوستان میں آزادی کی تحریک زور پکڑتی گئی اوراس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کے دلوں میں انگریزی حکومت اوراس کے ساتھ ساتھ انگریزیت سے دشمنی شدت اختیار کرتی

گئی، اسی قدر شدت کے ساتھ اس کے نصاب تعلیم کا دائرہ بھی سکڑتا گیا اور بالآخر یہ نصاب قرآن و حدیث اور ان دونوں کے اصول کو سمجھنے اور سمجھانے میں معاون علوم تک محدود ہوتا گیا۔ آزادی کے بعد جب تقسیم کے حادثے سے گزرنے کے بعد مسلمانوں نے ہندوستان کے تعلیمی نظام کی جانب توجہ دی تو ان کے سامنے باقاعدہ دو قسم کے تعلیمی نظام وجود میں آچکے تھے، جن کے درمیان اتفاق کی قدریں بہت کم، جب کہ اختلاف کی قدریں بے شمار تھیں۔ مدارس اور فضلائے مدارس دینیات تک محدود رہ گئے، جب کہ سرسید کا مدرسۂ فکر عصری یا جدید نظام تعلیم تک سمٹ گیا اور اس طرح مسلمانانِ ہند ایک ایسے دوراہے پر کھڑے ہو گئے کہ اگر وہ دین کو سنبھالتے ہیں، تو زمانے میں رائج علوم و افکار سے انہیں ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور اگر عصری علوم کی تحصیل کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھوں سے دینی و اسلامی علوم کا دامن چھوٹتا ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی محرومی مسلمانوں کے لئے نقصان دہ تھی چنانچہ جب بیسویں صدی کا خاتمہ ہوا اور ہم اکیسویں صدی میں داخل ہوئے تو ہندوستان ہی نہیں، پورے برصغیر میں ایک ایسی نسل تیار ہو چکی تھی جس کا ایک طبقہ قدیم اسلامی علوم سے تو لیس تھا مگر جدید علوم و فنون و افکار سے قطعی نابلد تھا جب کہ دوسرا طبقہ وہ تھا جو جدید علوم سے تو آگاہ تھا مگر اپنے دین کی مبادیات سے اُسے ضروری آگاہی بھی نہیں تھی۔

یہ سلسلہ ہنوز برقرار ہے اور ماہرین تعلیم اور اہل فکر و دانش ابھی بھی اس کے خاتمے کا کوئی معقول اور اطمینان بخش طریقہ ڈھونڈھنے سے قاصر نظر آرہے ہیں۔ ویسے یہ کام بہت ہی دوررس تدبیر اور حکمتِ عملی کا متقاضی بھی ہے۔ البتہ ایک کام جو ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح سے تعلق رکھتا ہے، اس کو دونوں طبقے (فضلائے مدارس اور جدید تعلیم یافتہ) انجام دے سکتے ہیں مگر ان میں بھی فضلائے مدارس اس کام کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو جو علوم پڑھائے جاتے ہیں، وہ تمام کے تمام قرآن، حدیث اور انسانی و اخلاقی اصول و مبادی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر مسلمان علمائے دین ہی سے اس قسم کی اصلاح کی امید اور توقع رکھتے ہیں اور صحیح معنوں میں معاشرتی اصلاح کا کام اہل مدارس ہی

انجام دیتے آرہے ہیں۔ خود ارباب مدارس کوبھی اس کا احساس ہے، چنانچہ جو مرکزی دینی تعلیمی ادارے ہیں، وہ وقتاً فوقتاً ایسے اجتماعات منعقد کرتے رہتے ہیں، جن میں مدارس کے تعلیمی نظام ونصاب پر غور وخوض کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی سماجی اہمیت پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔

24 مارچ کو دارالعلوم دیوبند میں رابطۂ مدارس اسلامیہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ملک بھر کے سیکڑوں مدارس سے تقریباً ساڑھے تین ہزار نمایاں علماء وذمہ دارانِ مدارس نے شرکت کی۔ اس میں جہاں مدارس کے تعلیمی وتربیتی نظام میں بہتری لانے پر تبادلہ خیال ہوا، وہیں موجودہ ملکی حالات میں مدارس کے نظام کو شفاف اور صاف ستھرا رکھنے پر بھی زور دیا گیا۔ اجلاس میں مدارس کے اندرونی نظام، اساتذۂ مدارس کی تنخواہوں میں بہتری لانے، حساب وکتاب کے نظام کو بہتر کرنے، شورائی نظام کے نفاذ اور مدارس کو قانونی تحفظ فراہم کرنے جیسے اُمور پر بھی زور دیا گیا۔ ساتھ ہی اربابِ مدارس کو یہ تلقین بھی کی گئی کہ وہ اپنے طلبا وفضلا کے ذہنوں میں منفی سوچ نہ پیدا ہونے دیں بلکہ ان کے دل ودماغ میں مثبت فکر اُجاگر کریں تاکہ وہ باہر نکل کر عام مسلمانوں کو بھی اسی راہ پر چلنے کی ہدایت دیں۔ ہندوستان کے ناگفتہ بہ حالات کو دیکھتے ہوئے اربابِ مدارس کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ وہ اسلام کے تصور وتعلیم رواداری اور پُر امن بقائے باہمی کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے غیر مسلم برادران وطن کو مدارس سے قریب کرنے اور انہیں مدارس کے نظام تعلیم وتربیت سے براہِ راست واقف کرانے کی کوشش کریں۔ بلاشبہ یہ اجلاس موجودہ حالات میں بروقت اٹھایا جانے والا قدم تھا اور اس میں زیر بحث آنے والے تمام تر موضوعات اہم، بلکہ اہم ترین تھے لیکن ضروری یہ ہے کہ وہ تمام علماء فضلاء اور مدارس کے ذمے داران ومدرسین جو اس اجلاس میں شریک ہوئے، وہ اپنے اپنے ادارے میں جاکر اس اجلاس کی تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کی سنجیدہ کوشش کریں۔ اگر ان تجویزوں کو زمینی حقیقت رچ بس جانے کا موقع مل گیا تو بلاشبہ اس کا خوشگوار نتیجہ نہ صرف مدارس اور فضلائے مدارس کے تعلق سے منفی پروپیگنڈوں کی تکذیب میں معاون ہوگا بلکہ معاشرتی وسماجی سطح پر اس کے بہتر نتائج حاصل ہوں گے۔

اس اجلاس میں راقمِ سطور نے اپنی معروضات میں دو باتوں کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔
ایک تو یہ کہ تعلیم نظام کے اختلاف اور قدیم وجدید کے خانے میں بٹ جانے کی وجہ سے فضلائے مدارس اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے درمیان جو دوری پیدا ہوتی جا رہی ہے یا ہو چکی ہے، اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے اور اربابِ مدارس اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم مسلم بچوں کی دینی تعلیم پر بھی توجہ دیں اور اس حوالے سے ایک منظم ومضبوط لائحہ عمل بنائیں۔
چونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اس لئے کارِ نبوت کی انجام دہی بھی ان ہی کی ذمہ داری ہے اور انہیں اس ذمہ داری کو نبھانا ہوگا۔ اس لئے اپنے بچوں اور بچیوں کو بے راہ روی اور جدید نظام تعلیم کے نقصانات اور نتائج سے محفوظ رکھنے کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ والدین اور سرپرست ان کی دینی تعلیم وتربیت پر توجہ دیں، وہیں ذمہ دارانِ مدارس اور علمائے کرام کی بھی یہ ذمے داری ہے کہ وہ اس طبقے کے لئے ایک نصاب ونظام تعلیم مرتب کریں اور اسلامی تعلیم و اصول کے مطابق ان کی ذہنی وفکری تربیت کا ایک مضبوط خاکہ تیار کریں۔ دوسری بات مدارس کو درپیش حالات کے تعلق سے کہی گئی، جس میں اس پر زور دیا گیا کہ ہمیں حالات کی سنگینی سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اِس وقت علماء، مدارس یا فضلائے مدارس کو جو ناگفتہ بہ حالات درپیش ہیں، بعینہ وہی، بلکہ ان سے بھی بدتر حالات ان مدارس کو آزادی سے قبل انگریزی حکومت میں درپیش تھے مگر ہمارے حوصلہ منداور باہمت اکابر نے ان حالات سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے پوری دلیری اور دیانت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور ان ہی کی محنتوں کی بدولت اسلام اور اسلامی تعلیمات کو ہندوستان سے نکالا نہیں جاسکا، نہ مدارس بند ہوئے نہ دینی تعلیم کا سلسلہ بند ہوا اور نہ فضلائے مدارس کی تعلیمی وتبلیغی سرگرمیوں میں کوئی کمی آئی۔ لہٰذا ہمیں ڈرنے اور گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، ضرورت صرف یہ ہے کہ ہم مدارس کے اندرونی نظام، ان کے تعلیمی وتربیتی سلسلے کو بہتر بنائیں اور قوم کو اچھے، باصلاحیت، سچے، ایماندار اور مخلص رجالِ کار فراہم کر کے دیں۔ جو لوگ یا طبقات ہم سے بدظن ہیں، ان سے دور بھاگنے کے بجائے انہیں

اپنے سے قریب کریں اورانہیں مدارس کی روح اوران کی حقیقت سے روشناس کرائیں، اپنے فضلاء کے دلوں میں ایک ایسی لگن اورتڑپ پیدا کریں، جوانہیں امت اورملت کی اصلاح کے تئیں ہمہ وقت بیدار، ہوشیار اورفکر مند رکھے۔ مدارس نے ماضی میں بھی مسلمانوں کی فلاح وصلاح کا کام بخوبی انجام دیا ہے اورانشاءاللہ مستقبل میں بھی دیتے رہیں گے۔

جذبات دل بوقت حاضری روضۂ رسول مقبول ﷺ

از: ڈاکٹر کلیم احمد عاجزؔ مرحوم

زخم کھائے ہوئے سرتا بہ قدم آئے ہیں	ہانپتے کانپتے یا شاہِ امم آئے ہیں
آپ کے سامنے جس حال میں ہم آئے ہیں	ایسے مجرم کسی دربار میں کم آئے ہیں
سرنگو آئے ہیں ، بادیدۂ نم آئے ہیں	آبرو باختہ دل سوختہ ہم آئے ہیں
کھو کے بازار میں سب اپنا بھرم آئے ہیں	شرم کہتے ہوئے آتی ہے کہ ہم آئے ہیں
گرچہ بے سوز ہیں، بے ساز ہیں بے ساماں ہیں	پھر بھی خالی نہیں سرکار میں ہم آئے ہیں
لیکے اردن کے جوانانِ بنی ہاشم کا	حوصلہ آئے ہیں دم آئے ہیں خم آئے ہیں
لیکے ہم پیش کشِ خدمتِ عالی کیلئے	تحفۂ خونِ شہیدانِ حرم آئے ہیں
بیتِ مقدس کے غریب الوطنوں کا لے کر	جگرِ سوختہ و دیدۂ نم آئے ہیں
مختصر یہ ہے کہ اس سینۂ سوزاں میں لیے	وقت کا سب سے دہکتا ہوا غم آئے ہیں
اک نگاہِ غلط انداز کے سائل بن کر	مجرمانِ امم یا شاہِ امم آئے ہیں

اب تو اس در سے نہ سر اٹھے گا انشاء اللہ

جان دیدیں گے یہی سوچ کے ہم آئے ہیں

گھر کا سربراہ کون؟ مرد یا عورت

محمد قمرالزماں ندوی

استاد، مدرسہ نورالاسلام کنڈھ پرتاگڑھ جنرل سیکریٹری مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ہر اجتماعی نظام کے لئے عقلا اور عرفا یہ ضروری ہے کہ اس کا کوئی سربراہ حاکم یا امیر ہو کہ اختلاف ونزاع اور باہمی کشمکش کے وقت اس کے فیصلے سے کام چل سکے، اسی طرح عائلی نظام میں جس کو عرف میں خانہ داری کہا جاتا ہے اس میں بھی ایک امیر اور سربراہ کی ضرورت ہے، عورتوں اور بچوں کے مقابلے میں اس کام کے لئے حق سبحانہ وتعالی نے مردوں کو منتخب فرمایا ہے کہ ان کی علمی اور عملی قوتیں اور صلاحیت بہ نسبت عورتوں اور بچوں کے زیادہ ہیں، اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ کوئی حقیقت پسند اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک موقع پر بطور خاص مرد اور عورت کے درجہ کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللّٰہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم (النساء آیت ۳۴) مرد عورت کے نگراں اور حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ تعالی نے ایک صنف (قوی) کو دوسری صنف (ضعیف) پر بڑائی دی ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں مرد کو عورت پر قوام بنایا گیا ہے۔ عربی زبان میں قوام اسے کہتے ہیں جو کسی کی حمایت، حفاظت اور کفالت کا ذمہ دار بن کر کھڑا ہو، اور جو شخص ان امور کی ذمہ داری لے گا، تسلط اور حکومت اس کے لیے ضروری اور لازم ہے۔

مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے مالہ وما علیہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

''خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت میں وللرجال علیھن درجۃ (۲:۲۲۸) فرما کر اور سورہ نساء کی آیت متذکرہ میں ''الرجال قوامون علی النساء'' فرما کر یہ بتلادیا گیا کہ اگرچہ

عورتوں کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم وواجب ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں اور دونوں کے حقوق باہم مماثل ہیں، لیکن ایک چیز میں مردوں کو امتیاز حاصل ہے کہ وہ حاکم ہیں۔اور قرآن کریم کی دوسری آیات میں یہ بھی واضح کردیا گیا کہ یہ حکومت جو مردوں کی عورتوں پر ہے محض آمریت اور استبداد کی حکومت نہیں، بلکہ حاکم یعنی مرد بھی قانون شرع اور مشورہ کا پابند ہے، محض اپنی طبیعت کے تقاضہ سے کوئی کام نہیں کرسکتا، اس کو حکم دیا گیا کہ عاشروھن بالمعروف (۱۹:۵) یعنی عورتوں کے ساتھ معروف طریقہ پر اچھا سلوک کرو۔اسی طرح دوسری آیت میں عن تراضٍ منھا و تشاوُر (۲: ۲۳۳) کی تعلیم ہے، جس میں اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ امور خانہ داری میں بیوی کے مشورہ سے کام کریں، اس تفصیل کے بعد مرد کی حاکمیت عورت کے لئے کسی رنج کا سبب نہیں ہوسکتی، چونکہ یہ احتمال تھا کہ مردوں کی اس فضیلت اور اپنی محکومیت سے عورتوں پر کوئی ناخوش گوار اثر ہو، اس لیے حق تعالی نے اس جگہ صرف حکم بتلانے اور جاری کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ خود ہی اس کی حکمت اور وجہ بھی بتلادی، ایک وہبی جس میں کسی کے عمل کا دخل نہیں، دوسرے کسبی جو عمل کا اثر ہے۔پہلی وجہ یہ ارشاد فرمائی "بما فضل اللہ بعضھم علی بعضٍ "یعنی اللہ تعالی نے دنیا میں خاص حکمت و مصلحت کے تحت ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے، کسی کو افضل کسی کو مفضول بنایا ہے، جیسے ایک خاص گھر کو اللہ تعالیٰ نے اپنا بیت اللہ اور قبلہ قرار دیدیا، بیت المقدس کو خاص فضیلت دیدی، اسی طرح مردوں کی حاکمیت بھی ایک خداداد فضیلت ہے، جس میں مردوں کی سعی و عمل یا عورتوں کی کوتاہی و بے عملی کا کوئی دخل نہیں ہے۔دوسری وجہ کسبی اور اختیاری ہے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، مہر ادا کرتے ہیں، اور ان کی تمام ضروریات کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ ان دو وجہ سے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا"۔(معارف القرآن ۲/ ۳۹۷-۳۹۶)

آگے ایک خاص نکتہ اور حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں۔"پہلی وجہ کے بیان میں مختصر طریقہ یہ تھا کہ رجال اور نساء کی طرف ضمیریں عائد کرکے" فضلھم علیھن" فرمادیا جاتا، مگر قرآن کریم نے عنوان بدل کر "بعضھم علی بعض" کے

الفاظ اختیار کئے، اس میں یہ حکمت ہے کہ عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کا بعض اور جز قرار دے کر اس طرف اشارہ کردیا کہ اگر کسی چیز میں مردوں کی فوقیت اور افضلیت ثابت بھی ہوجائے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کا سر اس کے ہاتھ سے افضل یا انسان کا دل اس کے معدہ سے افضل ہے، تو جس طرح سر کا ہاتھ سے افضل ہونا ہاتھ کے مقام اور اہمیت کو کم نہیں کرتا، اسی طرح مرد کا حاکم ہونا عورت کے درجہ کو نہیں گھٹاتا، کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے مثل اعضاء واجزاء کے ہیں، مرد سر ہے تو عورت بدن، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس عنوان سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ یہ افضلیت جو مردوں کو عورتوں پر حاصل ہے یہ جنس اور مجموعہ کے اعتبار سے ہے، جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی عورت کمالات علمی وعملی میں کسی مرد سے بڑھ جائے اور صفت حاکمیت میں بھی مرد سے فائق ہوجائے۔

دوسری وجہ اختیاری جو بیان کی گئی ہے کہ مرد اپنے مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، اس میں بھی چند اہم امور کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، مثلاً ایک تو اس شبہ کا ازالہ ہے جو آیات میراث میں مردوں کا حصہ دوہرا اور عوتوں کا اکہرا ہونے سے پیدا ہوگیا ہے، کیونکہ اس آیت نے اس کی بھی ایک وجہ بتلادی کہ مالی ذمہ داریاں تمام تر مردوں پر ہیں، عورتوں کا حال تو یہ ہے کہ شادی سے پہلے ان کے تمام مصارف کی ذمہ داری باپ پر ہے اور شادی کے بعد شوہر پر، اس لئے اگر غور کیا جائے تو مرد کو دوہرا حصہ دینا اس کو کچھ زیادہ دینا نہیں ہے، وہ پھر لوٹ کر عورتوں ہی کو پہنچ جاتا ہے۔ دوسرا اشارہ ایک اہم اصول زندگی کے متعلق یہ بھی ہے کہ عورت اپنی خلقت اور فطرت کے اعتبار سے نہ اس کی متحمل ہے کہ اپنے مصارف خود کما کر پیدا کرے، نہ اسکے حالات اس کے لئے سازگار ہیں کہ وہ محنت، مزدوری اور دوسرے ذرائع کسب میں مردوں کی طرح دفتروں اور بازاروں میں پھرا کرے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس کی پوری ذمہ داری مردوں پر ڈال دی، شادی سے پہلے باپ اس کا متکفل ہے اور شادی کے بعد شوہر۔ اس کے بالمقابل نسل بڑھانے کا ذریعہ عورت کو بنایا گیا ہے، بچوں کی اور امور خانہ

داری کی ذمہ داری بھی اسی پر ڈال دی گئی ہے، جبکہ مردان امور کا متحمل نہیں ہوسکتا۔اس لئے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ عورت کو اپنے نفقات میں مرد کا محتاج کر کے اس کا رتبہ کم کردیا گیا ہے، بلکہ تقسیم کار کے اصول پر ڈیوٹیاں تقسیم کردی گئی ہیں، ہاں ڈیوٹیوں کے درمیان جو باہم تفاضل ہوا کرتا ہے وہ یہاں بھی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں وجہوں کے ذریعہ یہ بتلادیا گیا کہ مردوں کی حاکمیت سے نہ عورتوں کا کوئی درجہ کم ہوتا ہے اور نہ ان کی اس میں کوئی منفعت ہے، بلکہ اس کا فائدہ بھی عورتوں ہی کی طرف عائد ہوتا ہے'' (معارف القرآن ۲؍۳۹۷-۳۹۸)

الغرض شریعت اسلامی میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں یہ جو مقام ملا ہے اس کی اللہ تعالیٰ نے دو وجہیں بیان فرمائیں ایک وہبی، خداداد اور دوسری کسبی، اختیاری، وہبی اور فطری یہ کہ ''اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر بڑائی دی''،بعض مرد کو جسمانی و عقلی قوتیں عورت سے زائد اور بہتر عطا فرمائیں جس کے نتیجہ میں مرد علمی و عملی کمالات میں عورت سے فائق ہوا۔اور ظاہر ہے کہ علمی و عملی کمالات ہی پر ترقی درجات کا انحصار ہے۔

کسبی واختیاری یہ کہ مرد حکم خداوندی کی تعمیل میں عورتوں کو مہر، خوراک، پوشاک وغیرہ مہیا کرتے ہیں اور انکی تمام خانگی و معاشی ضروریات کے کفیل ہیں۔اگر مرد ایسا نہ کرتے تب بھی وہ فطرت کے تقاضوں کے مطابق عورتوں کے نگراں اور ان کے حاکم ہی رہتے۔

بہر حال ان وہبی و کسبی وجوہ فضیلت کی بنا پر، اسلام نے مردوں کو عورتوں کی ذمہ داری، نگرانی اور سرداری کے مقام پر فائز فرمایا۔

مولانا زین العابدین سجاد میرٹھیؒ مرد اور عورت کے باہم تقسیم کار کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''گھر کے مختصر سے معاشرہ میں بھی مرد کو ریاست کا درجہ عطا فرمایا، کسب معاش کا بوجھ اسکے کاندھوں پر ڈالا اور خاندان کی صلاح وفلاح اور ان کی حفاظت وحمایت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی اور ملک وملت کی وسیع سوسائٹی میں بھی دشمنوں سے حفاظت، تدبیر امور مملکت اور عمومی نظم ونسق کی گراں بار ذمہ داریاں مردوں کے سپرد کیں چنانچہ جس طرح امامت

کبریٰ (نبوت) اور امامت صغریٰ (نماز کی امامت) مردوں سے متعلق رہی ہیں اسی طرح خلافت وامارت اور قضاء کے فرائض بھی مردوں ہی کے سپرد کیئے گئے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ولهذا كانت النبوة يختصه بالرجال وكذلك الملك الأعظم بقوله صلى الله عليه وسلم سن يفلح قوم ولو أمرهم امرأة (رواه البخارى) وكذا منصب القضاء وغيره ذلك۔ اور انہی وجوہ سے نبوت مردوں کے ساتھ مخصوص رہی ہے اور اسی طرح خلافت وامارت، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے امور مملکت عورتوں کے سپرد کردیئے (بخاری) اور اسی طرح قضاء وغیرہ کے مناصب بھی مردوں سے متعلق رہے ہیں۔ (ابن کثیر)

سورہ نساء کی مذکورہ آیت سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ عورت کی سربراہی ازروئے شریعت درست نہیں ہے۔ اور عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص، نصِ قطعی کے درجہ میں ہے، جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے "وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کردیئے"

بعض حضرات حضرت عائشہؓ کی جنگ جمل میں شرکت اور ایک گروپ کی قیادت سے خواتین کے لئے سیاسی اور عسکری قیادت کا جواز ثابت کرتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی جنگ جمل میں شرکت قائد فوج کی حیثیت سے نہیں تھی اور نہ سپاہی کی حیثیت سے وہ شریک ہوئی تھیں، حضرت عائشہؓ کا مقصد محض قتل عثمان کے قصاص کا مطالبہ تھا، اس کے علاوہ اکثر صحابہؓ اور دوسری ازواج مطہرات کو حضرت عائشہ کے اس اقدام سے اتفاق بھی نہیں تھا، اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی اپنی اس اجتہادی غلطی کا احساس ہوگیا تھا اور اس مہم میں شرکت پر آپ کو پچھتاوا تھا، اس لئے حضرت عائشہؓ کے اس عمل سے عورت کے لئے حکومت وسیاسی قیادت کا جواز فراہم کرنا محض حقیقت کو منہ چڑھانا ہے۔

ذبیحہ قانون

ہندوستانی قانونی آزادی کو ختم کرنا ہے

مولانا عبدالحمید نعمانی
موبائل: 9811657503 ای میل: noumani.juh@gmail.com

گروگولولکر کی کتاب BUNCH OF THOUGHTS آر ایس ایس کے لیے رہ نما کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، یہ ۳۸ ابواب پر مشتمل ہے، ان کے خاتمے پر آخری میں گولولکر کا ایک انٹرویو دیا گیا ہے، جو ۱۱ رجون ۱۹۷۰ء کو لیا گیا ہے، انٹرویو میں مسلمانوں کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کئی سوالات گائے ذبیحہ سے بھی متعلق ہیں، ایک سوال و جواب اس طرح ہے،

سوال کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرنے کے مدنظر ہمیں گاؤذبیحہ (ہتیا) کا لحاظ کرنا چاہیے۔

جواب: اس کا معنی تو یہ ہوگا کہ ہمیں اپنی خودی اور وقار کو ترک کرنا ہوگا، "تحمل" کے نام پر ہمیں اپنے جذبات، نظریات اور احساسات کو کچلتے ہوئے دیکھنا ہوگا، مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ کرنے کا مشورہ دو وجہ سے دیا جاتا ہے، پہلی یہ کہ وہ منظم و متحد ہیں، اگر اپنے جذبات کے تحفظ کے لیے لوٹ پاٹ شروع کردیں تو سرکار ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنا نہیں چاہے گی، دوسری وجہ یہ ہے کہ ارباب اقتدار کو ہر پانچ برسوں کے بعد ان کے پاس جانا پڑتا ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کا تھوک ووٹ ان کے علاوہ کسی دیگر پارٹی کو ملے، اپنے اسی مفاد پرستی کے سبب وہ ایسی دلیل دیتے ہیں، اس سے حوصلہ پاکر دوسری پارٹیاں بھی یہی طریقہ اپنا کر اور دلیل دے کر مسلم منھ بھرائی کی کوشش کرنے لگتی ہیں، گروگولولکر ماحول اور ہندو اکثریت کے جذبات کو گرم کرنے کے لیے مزید یہ بھی جوڑتے ہیں۔

”غیر ملکی حملہ آوروں نے عوامی ذہن کو غلام بنانے کے لیے ہندوؤں کو خود اعتمادی اور احساس خودی کے آثار اور باقیات کو نیست ونابود کرا اپنے کو اولیت دی، انھوں نے تبدیلی مذہب، مٹھ مندروں کے انہدام جیسے مختلف وحشیانہ طریقے اپنائے، اسی ذیل میں گائے قتل کا بھی آغاز ہوا، فرانس، ڈنمارک، پرتگال، انگلینڈ کے حملہ آوروں نے بھی اس کو جاری رکھا، تاکہ یہ ان کی غلامی کے طور طریقوں میں معاون ثابت ہوں“

گروگولولکر کا جواب اور تبصرہ ظاہر ہے کہ گائے یا بڑے جانوروں کے ذبیحہ پر روک لگانے کی صورت میں پیدا ہونے والے اصل سوالات اور مسائل کا جواب نہیں ہے، اس میں معقولیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اکثریت کو بذات خود طاقت مانتے ہوئے برہمن وادی تہذیبی حملہ اور ایک کمیونٹی کی روایت ورائے کا آئینی طور سے برابر کے شہری دوسری کمیونٹیز کو پابند کر کے انھیں محکوم و مقہور بنانے کی مذموم کوشش ہے، اگر ہندستان کو ایک زراعتی ملک مانتے ہوئے دودھ، دہی، گوبر وغیرہ کی ضرورتوں کے پیش نظر گائے اور دیگر جانوروں کے تحفظ کی بات کی جاتی تو وہ سمجھ میں آتی، لیکن اپنے تہذیبی وروایتی نظام کے تحفظ کے مقصد سے دوسروں کو اس کے تحت لانا جہاں اقلیتوں کی آئینی مذہبی آزادی کے منافی ہے، وہیں ملک کے اقتصادی نظام اور معقولیت اور تمام تر ضابطہ حیات کے بھی خلاف ہے، اسے اور اس سلسلے کے دیگر سوالات کو سامنے لاکر جب تک ملک میں بحث وگفتگو نہیں کی جائے گی، تب تک ملک کے فرقہ وارانہ حالات میں بہتر تبدیلی اور ایک جمہوری اور سیکولر ملک میں تمام شہریوں کی آزادی کا تحفظ نہیں ہوسکتا ہے۔

ہندستان جیسے ملک میں جذبات کے احترام کا بالکل غلط طور سے معنی ومطلب نکالا اور بتایا جارہا ہے، جس کا نتیجہ، تشدد، زور زبردستی اور ایک دوسرے کو جانی ومالی نقصانات پہنچانے کی شکل میں نکل رہا ہے، اور اچھے خاصے پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگ بھی ایسی نامعقول اور لغو باتیں کرتے ہیں، جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر کسی ایک فرقہ کے مزعومہ ومبینہ جذبات کے احترام ولحاظ

میں دوسرے فرقے کو اپنی پسند اور عقیدہ و مذہب کے مطابق جائز چیزوں کے استعمال سے قانوناً روک دیا جائے تو تمام شہریوں کی آئینی طور سے ملی مذہبی آزادی کا تحفظ کیسے ہو پائے گا؟ اگر کسی فرقے کے کچھ لوگ اپنے طور سے کسی اختیاری چیز کو ترک کر دیں تو ایک آزاد، جمہوری اور سیکولر ملک میں یہ بالکل قابل فہم ہے، لیکن اگر کسی کے دباؤ میں قانون بنا کر کسی فرقے کے جائز عمل پر روک لگادی جائے تو اسے آزادی کے تحفظ کے بجائے جائز آزادی کو ختم کرنے والا عمل ہی قرار دیا جائے گا، اگر جینی اور وشنوئی لوگ غذا میں گوشت شامل نہیں کرتے ہیں تو اس کی انھیں آزادی ہے، جب انھیں گوشت نہ کھانے کی آزادی ہے تو ہندستان کے دوسرے شہریوں کو اپنی پسند اور نظریے کے مطابق غذا کے طور پر گوشت کے استعمال کی بھی جو آزادی ہے، اسے ختم یا سلب کرنے کا کوئی اصولی و آئینی حق نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی معقول جواز۔

خوراک میں گوشت کے استعمال کا معاملہ صرف آزادی اور چھوٹ کا ہے، اس میں سماج کے رہنے والوں کے ذوق اور پسند اور غذائی ضرورت ملحوظ ہے، ان میں صرف مسلمان نہیں ہیں، جیسا کہ دکھانے بتانے کی کوشش کی جاتی ہے، اور چوں کہ مسلمانوں کی بڑی اکثریت گوشت استعمال کرنے والے زمرے میں شامل ہے، اس لیے ان کے نام کا منفی استعمال کر کے سماج کو ایک خاص ڈگر پر لے جانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔

گائے کے ذبیحہ (جسے غلط طور سے ہتیا اور قتل کا عنوان دیا جاتا ہے) کے نام پر ایک فرقے کو حملہ آور اور دوسرے کو محکوم اور دہشت زدہ کر کے احساس کمتری میں مبتلا رکھنے کا کھیل کھیلا جا رہا ہے، مہاراشٹر حکومت کی طرف سے عدالت میں اپنے موقف رکھتے ہوئے کہا گیا ہے، گرچہ ریاست میں بھینس کا ذبیحہ شروع ہو گیا ہے، اور وزیر اعلیٰ نے اسمبلی میں وضاحت پیش کی ہے کہ ہر طرح کے گوشت پر پابندی نہیں لگائیں گے، لیکن عملاً کئی طرح کی رکاوٹیں بھی پیدا کی جاتی ہیں۔

حد سے زیادہ، چھوٹے بڑے جانوروں کا ذبیحہ، یقیناً آنے والے دنوں میں مسئلہ پیدا کرے گا، لیکن حد میں رہتے ہوئے ضرورت بھر بھی قابل استعمال جانوروں کے ذبیحہ

پر روک سے کئی طرح کے جو مسائل اور مشکلات پیدا ہورہی ہیں، ان کو نظر انداز کر کے یک طرفہ اقدام سے زندگی کا نظام جس طرح درہم برہم ہورہا ہے، اسکے متعلق کوئی نہیں بول رہا ہے، گوا کی بی جے پی سرکار نے گائے بیل کے علاوہ دیگر بڑے جانوروں کے ذبیحہ پر روک لگانے سے انکار کر کے بی جے پی اور اس کے حامی سادھو سنتوں اور دیگر حامیوں کو ''دھرم سنکٹ'' میں ڈال دیا ہے، ان کے پاس اس متضاد عمل کا کوئی جواب نہیں ہے۔

آرایس ایس کے ترجمان پانچ جنیہ اور آرگنائزر اور دیگر اخبارات میں ذبیحہ گاؤ پر پابندی کی حمایت اور فوائد پر تحریریں شائع ہورہی ہیں، لیکن گوا کی ریاستی سرکار کی پالیسی پر پوری طرح سے خاموشی ہے، آرایس ایس حلقے کے بی جے پی لیڈر اور قلم کار بلبیر پنج نے گائے ذبیحہ پر روک لگانے کی حمایت میں لکھی حالیہ تحریر میں دیگر سوالوں کی طرح اپنی گوا کی ریاستی سرکار کے موقف پر کچھ نہ کہنے ہی میں عافیت سمجھی ہے، انھوں نے گائے کے فوائد بتاتے ہوئے دھرم گرنتھوں کے حوالے سے احترام گاؤ کا ذکر کیا ہے، لیکن جب ان گرنتھوں کے حوالے ہی سے قدیم دور سے ہی گوشت خوری کے رواج کی بات کہی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ کسی ایک زمانے کی بات پر دوسرے وقت اور آج بھی عمل کیا جائے یہ ضروری نہیں ہے، تو پھر ہندو مذہبی جذبات اور بہ قول گولولکر ہندو وقار اور خود اعتمادی کے تحفظ کی بات کا کیا مطلب ہوگا؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا صرف ہندستان کی گایوں ہی میں ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کی رہائش ہے، اور وہ دیوی اور اوتار ہیں، امریکہ، برطانیہ، چین، برازیل جیسے دیگر دنیا کے سینکڑوں ممالک کی گایوں سے متعلق جذبہ بندگی کا سوال اٹھا کر ان کے تحفظ اور ذبیحہ پر روک لگانے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا جاتا ہے، ہندو دھرم گرنتھوں میں مچھلی (متسیہ) کچھوا (کورم) اور خنزیر (وراہ) کی شکل میں وشنو کے اوتار لینے کا گائے سے زیادہ واضح الفاظ میں ذکر ہے، اگر آگے چل کر کسی خاص فرقے کے مذہبی جذبات کے احترام کا دائرہ وسیع کر دیا جائے تو کیا ہوگا؟ چوہا، بھینس (بیل) وغیرہ بھی تو دیوتاؤں کی سواری ہیں، اگر کل کلاں کو ان کے حوالے

سے بھی بکھیڑا کھڑا کر دیا جائے تو کیا حالت پیدا ہوگی۔

اگر کوئی فرقہ اپنے مذہب وعقیدہ پر عمل کرنا چاہے تو کرے، لیکن دوسروں کو اپنے عقیدہ وروایت کا پابند بنانے کا کیا جواز ہے؟ کسی بھی قابل استعمال چیز کے استعمال کے لیے عالمی سطح پر مذہبی اور ملکی آئین کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ وہ استعمال کرنے والے کی ملکیت میں ہو، وہ اس کا مالک ہو، جو چیز کا مالک نہیں ہے وہ صاحب المال (چیز کے مالک) کو استعمال سے روکنے کا کوئی آئینی اصولی حق نہیں رکھتا ہے، گائے کے ساتھ ہندستان کے اکثریتی فرقہ کا نہ تو براہ راست انتساب اور شناخت ہے، نہ ہی وہ ہر جانور کا مالک ہے، تو پھر زور زبردستی سے ناجائز طور سے روکنے کا کیا اختیار رکھتے ہیں۔

ہم ہندو دھرم گرنتھوں کے حوالے سے گوشت خوری اور گاؤ ذبیحہ کے بارے میں بہت کچھ کہہ سکتے ہیں، اس سلسلے میں بہت کچھ لکھا بھی گیا ہے، لیکن ہندستان جیسے جمہوری سیکولر ملک میں جس کے آئین نے تمام باشندوں کو آزادی دی ہے، ایک مذہب کو دوسرے مذہب کے آمنے سامنے رکھنا مناسب نہیں ہوگا، ہندو اکثریت کو پورا حق ہے کہ وہ اپنے عقیدے وروایت پر عمل کرے، لیکن اسے یہ حق نہیں دیا جاسکتا ہے کہ وہ دوسروں کو زبردستی اپنی طرح بنائے۔

جب تک اپنی سوچ اور روایت کو دوسرے پر لادنے کے بجائے دوسروں کی آزادی کو تسلیم کرتے ہوئے کام کرنے کا ماحول نہیں بنایا جائے گا، ملک میں بہتر تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی ہے، چاہے گوشت خوری یا تحفظ گاؤ کا معاملہ ہو، یا کوئی اور معاملہ، اپنے مذہبی جذبات کے احترام کے نام پر آپ دوسرے کی آزادی اور پسند کو ختم نہیں کر سکتے ہیں، آخر میں منو کا یہ اعلان وتبصرہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے ”کھانے کے قابل جاندار کو کھاتے ہوئے ، کھانے والے پر کوئی گناہ نہیں لگتا ہے کہ خالق نے ہی غذا اور کھانے والے کو پیدا کیا ہے“ (منوسمرتی باب ۵، شلوک ۳۰)

گذشتہ سے پیوستہ

اِعتدال

حقیقت اور اہمیت

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اِعتدال کا معیار: چونکہ ہر آدمی اپنے علم وفہم، فکر وذوق، اور عمل ونیت کے معتدل ہونے کا دعویدار ہوسکتا تھا اِس لیے شریعت نے اس کا ایک معیار مقرر کردیا ہے کہ جو اُس مطلوبہ راستہ پر چلے گا وہی ''اِعتدال پسند'' اور ''صراطِ مستقیم'' کا راہ رو مانا جائے گا، اِسی لیے جہاں ''صراطِ مستقیم'' کی اہمیت کے پیشِ نظر، مسلمانوں کے لیے ہر نماز میں اِس کی دعا کا مانگنا لازم قرار دیا گیا ہے: {اهدنا الصراط المستقيم}، وہیں فوراً ہی ''صراطِ مستقیم'' کا معیار بھی بتادیا گیا ہے: {صراط الذين أنعمت عليهم، غير المغضوب عليهم ولا الضالين} کہ اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ چلادیجیے، اُن لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے اِنعام فرمایا، جو (یہود کی طرح) آپ کے مغضوب نہیں ہیں، اور نہ ہی (نصاریٰ کی طرح) بے راہ۔

پھر اِن ''منعَم علیہم'' کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ یہ ارشاد بھی آگیا (النساء:۶۹): {ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين} (اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی اِطاعت کریں گے وہ (آخرت میں) اُن حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اِنعام فرمایا ہے، یعنی: اَنبیائ، صدیقین، شہداء اور صالحین)۔

لہٰذا شریعت کی نظر میں وہی ''راہِ اِعتدال''، اور ''صراطِ مستقیم'' مطلوب ہے جس کا نمونہ سلفِ صالحین: صحابہؓ، تابعینؒ اور تبعِ تابعینؒ کے یہاں پایا جاتا ہو، یا شرعی دلائل کی روشنی میں حضراتِ فقہاء نے اُس کو لکھا ہو، جس کی عام فہم پہچان: ''سنت وشریعت'' ہے، کہ اپنے تمام امور میں ''سنت وشریعت'' کو اپنا رہنما اور اُسوہ بنالیا جائے، اور اِس کا اِہتمام کیا جائے کہ ظاہری اور باطنی کوئی کام حتی الامکان خلافِ سنت یا خلافِ شریعت نہ ہونے پائے۔

اعتدال پیدا کرنے کا طریقہ: مذکورہ بالا تفصیلات سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ کسی بھی مسئلہ میں اِعتدال پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے اُس مسئلہ کے تمام پہلوؤں سے واقفیت ضروری ہے، ورنہ درمیانی راستہ کا علم ہوئے بغیر کیسے اُس پر چلا اور جما جاسکتا ہے، اور اِفراط وتفریط کی دونوں انتہاؤں کو جانے بغیر، کیسے اُن سے بچا جاسکتا ہے؟ اِس لیے مسلمانوں کو اپنے اندر دِینی اِعتدال پیدا کرنے کے لیے سب سے بنیادی اور ضروری چیز صحیح اور مستند علم کا حاصل کرنا ہے۔

اور اِس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جب جس شخص سے جو دِینی فریضہ یا دُنیوی ذمہ داری متعلق ہو، وہ کسی معتبر عالمِ دین سے اُس سے متعلق شرعی مسائل معلوم کرلے، مثلاً توحید ورسالت وغیرہ عقائد، نماز روزہ وغیرہ عبادتیں اور ظاہری وباطنی اخلاق تو ہر مسلمان سے ہمہ وقت متعلق ہیں، اِس لیے اُن کے موٹے موٹے مسائل کا سیکھنا تو ہر مسلمان پر فرض ہے ہی، اِسی طرح ماں باپ، بھائی بہن، چھوٹے بڑے، رشتہ دار اور پڑوسیوں کے حقوق معلوم کرلے، پھر جس شخص کے پاس کچھ مال ہو تو وہ زکوۃ کے مسائل سیکھ لے، حج کی تفصیلات معلوم کرلے، تجارت کا اِرادہ کرے تو خرید وفروخت اور معاملات کے مسائل سیکھ لے، نکاح کا اِرادہ کرے تو زوجیت کے حقوق معلوم کرلے، باپ (یا ماں) بنے تو اولاد کے حقوق اور اُن کی تربیت کی ذمہ داریاں پتہ کرلے، کسی اِدارہ یا مدرسہ کا ذمہ دار بن رہا ہے، یا ملازم بن رہا ہے، تو حاکم ورعیت کے حقوق سمجھ لے، چندہ کے احکام اور اُس کے شرعی مصارف وغیرہ معلوم کرلے، اساتذہ شاگردوں کے حقوق، طلبہ اساتذہ کے حقوق معلوم کرلیں، کوئی اور دینی یا دنیوی کام کرنے جارہا ہے تو اُس کا صحیح طریقہ معلوم کرلے، اور اُس کے شرعی مسائل سیکھ لے۔

غرضیکہ ہر موقع اور ہر مرحلہ کے مسائل اور احکام کی طرف توجہ کرکے اُن کو اچھی طرح سیکھ لے، سمجھ لے، اور پھر بقدرِ استطاعت اپنے آپ کو اُسی کا پابند بنالے، تو یہی شریعت کی نظر میں ''اِعتدال'' کہلائے گا۔

لیکن یہ بات بھی میں ذہن میں رہنی چاہیے کہ عملی اعتدال اور استقامت پیدا کرنے کے لیے نرا ''علم'' کافی نہیں ہوتا، جب تک ''عمل'' کا بھرپور جذبہ بھی نہ ہو، اور یہ چیز پیدا ہوتی ہے دِل کے اندر اِیمان واِیقان، اللہ کا خوف وخشیت، اُس کے وعدوں پر یقین، اُس کی وعیدوں سے ڈر، اُس کی اور اُس

کے رسول کی محبت پیدا کرنے سے، آخرت کی فکر، جنت دوزخ کا تصور کرنے سے، اور ظاہر ہے کہ اِس کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے اِسی طرح کے اہلِ دل حضرات کی صحبت اور معیت ضروری ہے، چاہے وہ خانقاہوں میں ملیں، چاہے کہیں اور ------

اِس کے بعد اِس سلسلہ کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اجمالاً دِین کے مجموعی شعبوں کا ''اِعتدال'' بیان کردیا جائے، پھر اِن شاء اللہ تعالیٰ حسبِ توفیق بعض ایسے مسائل کو ذرا تفصیل کے ساتھ بھی بیان کیا جائے گا جن میں آج کل بے اِعتدالی عام ہوتی جارہی ہے۔

تعلیماتِ دین اور اُن کا اعتدال: یہ بات اہلِ اِسلام کے لیے انتہائی شکر وسعادت کی ہے کہ مذہبِ اسلام ایک مکمل اور جامع دین ہے، جو اِنسان کے ہر مرحلۂ حیات کے لیے ایک دستور، اور ہر شعبۂ زندگی کے لیے ایک لائحۂ عمل رکھتا ہے، جو مذہب وعبادت سے لے کر، معاملات وسیاست تک: اِنسانی زندگی کے تمام شعبوں میں دخیل ہے، اگر اِسلام کے مجموعی اَحکام کو چند جلی عنوانات کے تحت تقسیم کیا جائے تو اِجمالی طور پر چھ شعبے بنتے ہیں: عقائد، عبادات، اَخلاق، معاملات، معاشرت، سیاست، اِن میں سے ہر موضوع سے متعلق واضح اِسلامی تعلیمات وہدایات موجود ہیں، ہم یہاں اُن کے بنیادی نکتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ''تعلیماتِ دین'' کے خصوصی امتیاز اور اعتدال کی طرف اِشارہ کرتے ہیں، وما توفيقي إلا بالله:

(۱) عقائد میں اِعتدال کا خلاصہ ہے: توحید، رسالت، آخرت، تقدیر، فرشتوں، اللہ کی نشانیوں (بیِّنات ومعجزات)، اور اُس کی کتابوں کو دل سے حق ماننا، اور زبان سے اُن کا اقرار کرنا، اور اللہ کے پسندیدہ راستہ کے علاوہ تمام راستوں کو غلط سمجھنا، اور پسندیدگی کا معیار: علمی اعتبار سے کتاب وسنت کو سمجھنا، اور عملی لحاظ سے: ''ما أنا عليه وأصحابي'' کو ماننا، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو، اور آپ کے بعد صحابۂ کرامؓ، خصوصاً حضراتِ خلفائے راشدینؓ کو ''معیارِ حق'' تسلیم کرنا۔

(۲) عبادات کا اِعتدال ہے: ہر کام کو اِخلاصِ نیت کے ساتھ، سنت کے مطابق کرنا، فرائض وواجبات کو لازم سمجھنا اور بغیر کسی کوتاہی کے ادا کرنا، سُنن ومستحبات کا حتی الامکان اہتمام کرنا، (شرک وبدعت اور) ایسے حرام کاموں سے بچنا جو عبادت کی مقبولیت سے مانع بن جاتے ہیں۔

''شرک'' کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی اور کو شریک ماننا، کسی اور کو لائقِ عبادت اور پرستش سمجھنا، یا اُس کے کسی اِرادہ اور فیصلہ میں کسی کو مؤثر خیال کرنا، یا اُس کے علاوہ کسی اور سے بھی نفع ونقصان کی امید رکھنا، یا کسی عمل کے کرنے یا نہ کرنے میں غیر اللہ پر نظر رکھنا۔

''بدعت'' کا مطلب ہے: امیدِ ثواب کے ساتھ کوئی ایسا کام کرنا جس کی اَصل ہی شریعت میں نہ ہو، یا شرعاً اُس کا جو درجہ ہو اُس سے اُس کو بڑھا دینا، یا کسی غیر مؤقّت امر کو از خود کسی وقت سے مقیَّد کر دینا، یا کسی عام کو خاص، یا مطلق کو مقید، یا اِس کے برعکس صورت کر دینا۔

(۴) اَخلاق کا اِعتدال ہے: ہر ایسی خوبی پیدا کرنے کی کوشش کرنا جس کی کتاب وسنت میں تعریف آئی ہے، جیسے: ایمان ویقین، توکل وتفویض، خلوص وللّٰہیت، خشوع وخضوع، خوف وخشیت، تواضع وعبدیّت، ادب وتعظیم، تشکُّر وامتنان، حبّ فی اللہ، بغض فی اللہ، حلم ومروّت، شفقت وترحُّم، صلہ رحمی وسخاوت، اِحسان وسلوک، وقار ومتانت، احساسِ خودی، عدل وشجاعت، غیرت وحمیت، غیظِ حق، جرأت وبے باکی، بشاشت وتازگی، شرم وحیا، استقلال واستقامت، صدق وسچائی، امانت ودیانت، وفائے عہد، صبر وقناعت، زہد واستغنا، بے تکلفی وسادگی اور کفایت شعاری، وغیرہ۔

اور ہر ایسی برائی سے بچنا جس کی کتاب وسنت میں مذمت وارد ہوئی ہے، جیسے: شرک وبدعت، رِیا وسُمعہ، نفاق وتملُّق، تکلُّف وبناوٹ، ظلم وزیادتی، مَنّ واِیذاء، بے اِعتدالی وناانصافی، تعصُّب واِنکارِ حق، چوری وڈاکہ زنی، بدنظری وبدکاری، بے شرمی وبے حیائی، بے غیرتی وبے حسی، قتل وغارت گری، قطع رحمی، کبر وتعلّی، عُجب وخود پسندی، تذلل وکمینگی، بغض وعناد، حسد وجلن، جھوٹ وچغلی، غیبت وبہتان، گالی وبدزبانی، غضب وغصہ، حرص وہوس، طمع ولالچ، اِسراف وتبذیر، بُخل واِمساک، بدظنی وبدگمانی، غفلت ولاپرواہی، جُبن وبزدلی، سستی وکسل مندی، حماقت وبے وقوفی، وغیرہ۔

مذکورہ بالا ''اَخلاق'' میں سے ہر ایک کی صحیح تعریف اور حقیقت بھی واضح رہنا ضروری ہے، ورنہ عام طور سے لوگ اِسلامی اَخلاق کی حقیقت ذہن میں نہیں رکھتے، صرف آج کل کی ظاہری مسکراہٹوں، اور نفاق وتملُّق کی باتوں کو ''خوش اخلاقی'' سمجھتے ہیں، اور عموماً ''وقار وتکبر''، ''تواضع وتذلُّل''، ''حلم وبے

غیرتی''، ''غیرت وتعصُّب''، ''شرافت وبزدلی''، ''سخاوت وفضول خرچی''، ''کفایت شعاری وبُخل''، ''جرأت وبے حیائی''، ''غیظِ حق وغضبِ نفسانی''، ''احساسِ خودی وخود پسندی'' جیسے متضاد اَوصاف واَخلاق میں فرق نہیں کرپاتے (جس کی وضاحت اِن شاءاللہ آئندہ کسی مجلس میں کردی جائے گی)۔

ایسے ہی اِن میں سے کچھ اخلاق ایسے بھی ہیں جو اپنی حیثیت کی تعیین میں تھوڑی تفصیل کے محتاج ہیں، مثلاً ''غصہ'' بری چیز ہے، مگر جو غصہ دینی غیرت کی وجہ سے آئے وہ بہت مبارک اور محمود ہے، البتہ اُس کی حدود، اور اُس کے اظہار کے طریقے موقع ومحل کے اعتبار سے بدل جاتے ہیں۔ ''شرم وحیا'' بہت اچھی چیز ہے، مگراتنی ہی کرنی چاہیے کہ حصولِ دین اور تحصیلِ علم سے مانع نہ بن جائے، ورنہ پھر مذموم ہوجاتی ہے۔

حاصل یہ کہ اِن اچھے، برے اخلاق کا مطلوبہ معیار اور موقع ومحل پوری طرح سے ہمارے سامنے نہیں ہوتا، جس کے نتیجہ میں ہم لوگ بحیثیتِ مجموعی شدید اخلاقی اِنحطاط اور ''بے اعتدالی'' کا شکار ہوتے جارہے ہیں، حالاں کہ ''موطأمالک'' (ص ۳۶۴) کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصدِ بعثت میں سے ''محاسنِ اَخلاق'' کی تکمیل بھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے (بخاری: ۳۵۵۹، ۳۷۵۹، ومسلم: ۲۱۲۳): ''إن من أحبكم إلي: أحسنكم أخلاقاً'' (تم میں سے میرے نزدیک زیادہ محبوب وہ ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں)۔

اِس لیے مسلمانوں کو اچھے اخلاق سیکھنا اور اپنے اندر اُن کو پیدا کرنا، پھر ہر موقع کے مناسب اُن کو اِستعمال کرنا یہ بہت بڑی دینی ذمہ داری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ''اِسلام'' کی دعوت بعد میں دی ہے، اُس سے بہت پہلے ہی سے مکہ کے لوگ آپ کے کریمانہ اور شریفانہ اَخلاق سے متاثر تھے، ظلم وزیادتی کے خلاف قریش کے بعض امن پسند لوگوں کی طرف سے بنائی جانی والی اِصلاحِ معاشرہ تنظیم ''حِلف الفضول'' کے آپ اہم رکن تھے، خانۂ کعبہ میں حجرِ اسود کے نصب کے سلسلہ میں قریش میں جو اختلاف ہوا تھا وہ آپ ہی کی حسنِ تدبیر سے حل ہوا تھا، آپ اہلِ مکہ کے یہاں ''امین'' کے لقب سے مشہور تھے۔

جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور آپ کی طبیعت اِس بارِ گراں سے متاثر ہوئی، تو حضرتِ خدیجہؓ نے آپ کو تسلّی دیتے ہوئے عرض کیا تھا (بخاری: ۳، ۴۹۵۷، ومسلم: ۲۳۱): ''واللہ ما

يُخزيك الله أبداً، إنك لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وتَصدُق الحديثَ، وتَحمِلُ الكَلَّ، وتَكسِبُ المعدومَ، وتَقري الضيفَ، وتعين على نوائب الحق" (خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، اِس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اُٹھا دیتے ہیں، محتاجوں کی فکر کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر داری فرماتے ہیں، اور نیک کاموں میں تعاون فرماتے ہیں)۔

نجاشی کے دربار میں حضرتِ جعفر طیارؓ نے جو تقریر کی تھی اُس میں یہ بھی فرمایا تھا (مسند احمد ۴/ ۱۷۳): بادشاہ سلامت! ہم لوگ گنوار اور اَن پڑھ لوگ تھے: بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کیا کرتے تھے، رشتے ناطے کا خیال نہیں رکھتے تھے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کا حق دبا لیا کرتا تھا، ہم لوگ ایسے ہی بداخلاقیوں میں مبتلا تھے کہ اللہ نے ہمارے درمیان ایک ایسا رسول بھیجا جس کا نسب، جس کی سچائی، جس کی امانت اور عفت و پاکدامنی ہمارے درمیان معروف و مشہور تھی، اُس نے ہمیں اِس بات کی دعوت دی کہ ہم اللہ کی توحید کا اقرار کریں، اُسی کی عبادت کریں، اور جن بتوں اور پتھروں کو ہم، یا ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے، اُن کی پرستش چھوڑ دیں، اور اُس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولا کریں، امانت ادا کیا کریں، رشتے ناطے جوڑا کریں، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کریں، حرام کاموں اور ناحق خون بہانے سے باز آجائیں، برے کاموں، بری باتوں سے الگ ہو جائیں، یتیموں کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں کو تہمتیں لگانے سے توبہ کرلیں ----------

لوگ کہتے ہیں کہ "اِسلام تلوار سے پھیلا"، حجۃ الاسلام حضرتِ نانوتویؒ نے فرمایا کہ "اگر اسلام تلوار سے پھیلا تو یہ تلوار چلانے والے کہاں سے آئے؟"، مکہ میں کس نے تلوار چلائی تھی، حبشہ پر کس نے حملہ کیا تھا، مدینہ پر کس نے یلغار کی تھی؟ راقم عرض کرتا ہے کہ اِسلام میں تلوار کا استعمال ضرور ہوا ہے، مگر اِسلام کو پھیلانے کے لیے نہیں، کیوں کہ اُس کے بارے میں تو صاف اِعلان ہے (البقرۃ:۲۵۶): {لا إكراه في الدين} (دین میں زبردستی نہیں ہے)، بلکہ بداخلاقیوں اور فتنہ و شرارت پر آمادہ لوگوں کو زیر کرنے کے لیے تلوار کا اِستعمال ہوا ہے، صاحبِ "تفسیر مظہری" آیتِ مذکورہ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"۔۔۔ فإن الأمر بالقتال والجهاد ليس لأجل الإكراه على الدين، بل لدفع الفساد من الأرض" (قتال وجہاد کی مشروعیت لوگوں کو دین پر مجبور کرنے کے لیے نہیں ہوئی، بلکہ اللہ کی زمین سے فساد ختم کرنے اور فسادیوں کا زور توڑنے کے لیے ہوئی)۔

(۴) معاملات کا اِعتدال ہے: ہر قدم پر حلال وحرام کا فرق ملحوظ رکھنا، سود، دھوکہ اور رشوت سے بچنا، کسی کی طیبِ خاطر کے بغیر اُس کا مال اِستعمال نہ کرنا، اور معاملہ کے اندر ایسے اِبہام وجہالت سے احتراز کرنا جس کے نتیجہ میں نزاع اور اِختلاف کی نوبت آسکتی ہو، اور دنیا میں اتنا ہی لگنا کہ دینی فرائض وواجبات میں کوتاہی نہ ہونے پائے، بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں اور مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

والدین کی خدمت، مہمانوں کی ضیافت، بیماروں کی عیادت، جنازوں میں شرکت اور محتاجوں کی مدد، وغیرہ اُمورِ اہم حقوق میں سے ہیں، اُن کا خیال رکھتے ہوئے "کسبِ معاش" میں لگنا، حدیث شریف میں دعا سکھائی گئی ہے (ترمذی: ۳۴۲۴): "اللهم لا تجعل الدنيا أكبر همنا، ولا مبلغ علمنا" (اے اللہ! ہماری پروازِ فکر، اور دائرۂ معلومات صرف دنیا ہی کے اردگرد محدود ہوکر نہ رہ جائے)۔

آج کل عام طور پر ہم لوگوں کی زندگیوں کا محور، اور سعی وکوشش کا ماحَصَل صرف اور صرف کمانا، کھانا اور تفریح وآرام کرنا؛ بن کر رہ گیا ہے، نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کی فکر، نہ آخرت، قیامت، جنت، دوزخ کا ذکر، نہ بندوں کے حقوق کا خیال، نہ مذہبی، ملّی اور قومی مسائل اور ذمہ داریوں کا اِحساس، ایسی زندگی تو جانوروں کی ہوا کرتی تھی، اِنسان کا خمیر تو "اُنس ومحبت" سے اٹھایا گیا تھا، اور خصوصاً مسلمان کی شان تو یہ بتلائی گئی تھی (مسند احمد ۵/۳۳۵): "المؤمن يألف ويؤلف، ولا خير فيمن لا يألف ولا يؤلف" (مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ خود دوسروں سے قریب ہوتا ہے، اور دوسرے اُس سے مانوس ہوتے ہیں، اور اُس شخص کے اندر کوئی خیر نہیں جو نہ مانوس ہوتا ہو، اور نہ اُس سے مانوس ہوا جاسکتا ہو)، مسلمان کا مقصدِ زندگی تو یہ متعیَّن کیا گیا تھا (الذاریات:۵۶): {وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون} (اور میں نے اِنسانوں اور جنات کو صرف اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے)، اور اُس کا وظیفۂ حیات تو یہ بیان کیا گیا تھا (آل عمران: ۱۱۰): {كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون

بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ} (تم بہترین امت ہو، تمہاراانتخاب دوسروں کے لیے ہوا ہے کہ تم اُنہیں نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو، اور خود اللہ پر ایمان رکھو)۔

(۵) معاشرت کے دو پہلو ہیں: ایک کا تعلق انسان کے ذاتی رہن سہن، صورت شکل اور وضع قطع وغیرہ سے ہے، اِس کا اِعتدال یہ ہے کہ ایسا طرزِ زندگی اپنایا جائے جس میں اِسلامی تشخص واِمتیاز نمایاں ہو، اور غیروں سے مرعوبیت کی بنا پر اُن کی نقالی اور تشبُّہ نہ پایا جائے۔

اور دوسرے پہلو کا تعلق دوسروں کے ساتھ تعلقات اور حقوق سے ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے جس سے (ادب و تعظیم، محبت ومودت، حسنِ سلوک، رشتہ وقرابت یا دوستی اور عداوت کے) تعلق کی جو حد بتائی ہے اُس سے وہ تعلق رکھا جائے، اور کسی کو ''بے وجہ'' اپنی ذات سے تکلیف نہ پہنچنے دی جائے۔

(۶) سیاست کا اِعتدال ہے: اِسلام کے حکومت وسلطنت سے متعلق احکام کو پیشِ نظر رکھنا، حُکّام کے لیے رعایا کے حقوق، اور رعایا کے لیے حُکّام کے حقوق کو سمجھنا، اگر اِسلامی حکومت ہے تو سمع وطاعت وغیرہ کے احکام پر چلنا، اور ذِمیوں اور امن لے کر رہنے والوں کے حقوق کا خیال رکھنا، اور اگر غیر اِسلامی حکومت ہے تو اپنے عقائد وشعائر، اور ''پرسنل لا'' کی حفاظت کے اِہتمام کے ساتھ ساتھ، حکومتِ وقت سے کیے ہوئے معاہدوں کی پابندی کرنا، اور غیر مسلمین سے تعلقات کی شرعی حدود کو جاننا اور اُس کو ملحوظِ عمل رکھنا۔

اللہ تعالی ہم لوگوں کو دین کے ہر مسئلے میں اعتدال کی حقیقت اور اہمیت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اسراف اور نمائش

عبداللہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ جو چاہو پہنو میں تم پر کوئی الزام نہیں رکھتا لیکن دو خصلتیں بری ہیں ایک تو اسراف، دوسرے نمائش۔

عن ابن عباس ﷺ قال: کُلْ ماشِئتَ، وَالْبَسْ ماشئت، ماأَخطأتکَ خَلَّتَانِ: سَرَف، أَوْ مَخِیلَۃ۔ (مصنف ابن أبی شیبۃ، رقم ۲۵۳۷۵) ''ماخوذ از تفسیری خطبات''

اردو صحافت کے انمول رتن

اردو صحافت کے چند اہم غیر مسلم صحافیوں کا اجمالی تعارف

شاہد زبیری
نامہ نگار ''راشٹریہ سہارا اردو دہلی

اردو زبان روزِ اوّل سے اپنے مزاج کے اعتبار اور اپنے خمیر کے لحاظ سے ایک سیکولر زبان رہی ہے، اس زبان کی پرورش و پرداخت میں ابتدا سے ہی بلالحاظ مذہب وملت ہندوستان کے تمام باشندوں نے اپنی استعداد اور صلاحیتوں کے مطابق حصہ لیا، چنانچہ اردو کے غیر مسلم شاعروں اور ادیبوں کے ساتھ ساتھ اردو کے غیر مسلم صحافیوں کی ایک کہکشاں اردو صحافت کے آسمان پر روشن اور تابناک نظر آتی ہے۔ایسے صحافیوں کی ایک لمبی قطار ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

غیر مسلم اردو صحافیوں کے ذکر سے پہلے اردو صحافت کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالیں توسب سے پہلے یہ بحث سامنے آتی ہے کہ اردو کے پہلے اخبار کا کب اجرا ہوا اور کس نے اس کا اجرا کیا؟ انگریزی و اردو کے کہنہ مشق صحافی اور کالم نگار اے۔یو۔آصف کی تحقیق و ریسرچ کے لحاظ سے اردو کا پہلا اخبار 1810 میں مولوی محمد اکرم نے کلکتہ سے جاری کیا تھا۔اے۔یو۔آصف کے مطابق یہ ہفت روزہ تھا اور اس کی فائلیں کولکتہ کی نیشنل لائبریری میں موجود ہیں۔

اردو کے پہلے اخبار کی بحث کے نتیجہ میں اردو صحافت کے زیادہ تر محققین اور ریسرچ کرنے والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اردو کا سب سے پہلا اخبار ہفت روزہ ''جامِ جہاں نما'' تھا، بیشتر محققین کی رائے ہے کہ جامِ جہاں نما سب سے پہلے ۲۷/مارچ ۱۸۲۲ء کو منظر عام پر آیا، اردو میں اس کے چند ہی شمارے نکل پائے تھے کہ جون ۱۸۲۲ء میں اس وقت کے چلن کے مطابق یہ اردو کی بجائے فارسی کے قالب میں ڈھل گیا، ایک سال بعد مئی ۱۸۲۳ء سے اس کا اردو ضمیمہ شائع ہونے لگا۔

''جام جہاں نما'' سے پہلے ہندوستانی زبانوں میں صرف بنگالی زبان میں اخبارات

جاری ہوئے تھے۔ یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ جامِ جہاں نما کے نام سے ایک اخبار بعد میں میرٹھ سے بھی نکلا تھا۔ جس کا پہلے نام ''جامِ جمشید'' تھا جو ۱۸۵۷ تک جاری رہا۔ میرٹھ سے نکلنے والے جامِ جہاں نما کی طباعت اردو ٹائپ میں نہیں بلکہ اس کی کتابت ہوتی تھی۔

اردو کے پہلے اخبار ''جامِ جہاں نما'' کے اجراء کا کارنامہ کسی اور نے نہیں کولکتہ کے ہری دت نے انجام دیا تھا۔ ہری دت اس کے مالک اور منشی سدا سکھ لال مدیر تھے۔

ہری دت بنگالی تھے۔ ان کے والد تارا چند ۱۸۲۱ء میں بنگالی زبان میں اخبار نکال چکے تھے۔ صحافت ہری دت کو ورثہ میں ملی تھی۔ ہری دت انگریزوں کی ایک تجارتی فرم ہاپکنس پیئرس میں ملازم تھے۔ اس انگریزی تجارتی فرم میں بھی جامِ جہاں نما کی طباعت کی ذمہ داری لے رکھی تھی۔ جام جہاں نما کے اردو اور فارسی ایڈیشنوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا لوگو ہوتا تھا۔ ایک طرح سے دونوں اخبار انگریز حکمرانوں یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرپرستی میں نکلتے تھے۔ اس اخبار کے مدیر سدا سکھ لال یو۔ پی۔ کے آگرہ کے رہنے والے تھے۔ کولکتہ کے مرزا پور علاقے میں رہتے تھے۔ یہ علاقہ ہری دت کے محلہ کولوٹولہ کا قریبی علاقہ تھا۔ اس لحاظ سے دونوں پڑوسی بھی تھے۔

منشی سدا سکھ لال: منشی سدا سکھ لال عالم، فاضل تھے۔ ان کو بیک وقت چار زبانیں عربی فارسی، اردو اور انگریزی آتی تھی۔ وہ انگریزوں کو اردو پڑھاتے تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ بعض ذاتی وجوہات کی بنا پر انہوں نے جام جہاں نما کی ادارت چھوڑ کر اپنے وطن آگرہ کا رُخ کیا۔ آگرہ اور الٰہ آباد سے بھی انہوں نے اردو کے ساتھ ہندی میں بھی صحافت کی اور ایک چھاپہ خانہ مطبع نور الابصار کے نام سے قائم کیا اور اسی نام پر ایک اخبار ''نور الابصار آگرہ'' اردو میں اور ''بدھی پرکاش'' کے نام سے ہندی میں اخبار نکالا۔ دونوں اخبار کے مدیر بھی وہ خود تھے۔ ان اخبارات میں خبروں کے علاوہ مختلف علوم وفنون ومضامین شائع کئے جاتے تھے۔ مشہور مستشرق اور اسکالر فرانس کے گارساں دتاسی نے اپنے چھٹے لیکچر میں منشی سدا سکھ لال کے دونوں

اخبارات اور منشی سدا سکھ لال کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے:۔ ''کہ آگرہ میں نور الابصار'' کا ایڈیٹر سدا سکھ نامی ایک لائق ہندو ہے جو انگریزی میں خاصی لیاقت رکھتا ہے اور کئی کتابوں کا مصنف ہے۔ وہ ہندی کا بھی ایک اخبار نکالتا ہے، جس کا نام ''بدھی پرکاش'' ہے۔ دونوں اخبار بہت کامیاب ہیں کیونکہ ان میں دل چسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاریخ، جغرافیہ اور ارضیات (جیولوجی) اور تعلیم پر اکثر مضامین نکلتے رہتے ہیں۔ ان اخبارات کا طرزِ تحریر بہت پاکیزہ ہوتا ہے لیکن پر تکلف نہیں ہوتا----''

ہری دت اور منشی سدا سکھ لال نے جام جہاں نما کا اجراء اردو کے مراکز مانے جانے والے دہلی، لکھنؤ، لاہور اور حیدر آباد شہروں سے دور بنگال کے کولکتہ شہر سے کیا تھا جو اس بات کا مظہر ہے کہ اردو ملک کے کسی خاص حصہ تک ابتداء سے ہی محدود نہیں رہی ہے، اور اس کے پاؤں میں علاقائی بیڑیاں کبھی نہیں تھیں، لیکن یہ وصف اس کی کمزوری بھی بن گیا۔ آزادی کے بعد جب زبان کی بنیاد پر ۱۹۵۳ء میں لسانی ریاستوں کے قیام کا مسئلہ آیا تو کئی صوبے لسانی بنیاد پر وجود میں آئے۔ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ لیکن اردو کے حصہ میں لسانی بنیادوں پر سوائے کشمیر کے کوئی صوبہ نہیں آیا۔ اس ضمنی تذکرہ کے علی الرغم ہری دت اور منشی سدا سکھ لال کے ذریعہ جامِ جہاں نما کے اجرا سے یہ بھی صاف ہو جاتا ہے کہ اردو نہ صرف کسی علاقہ تک محدود رہی اور نہ اس پر کسی خاص مذہب یا فرقہ کا ٹھپہ لگا۔

منشی ہرسکھ رائے:۔ منشی ہرسکھ رائے بھی منشی سدا سکھ لال کی طرح یوپی کے رہنے والے تھے۔ وہ ضلع سکندر آباد ضلع بلند شہر کے ایک علمی گھرانے میں ۱۸۱۶ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا تعلق ایک کائستھ خاندان سے تھا۔ انہوں نے میرٹھ سے جامِ جمشید بھی نکالا، بعد میں جس کا نام بدل کر انہوں نے جام جہاں نما کر دیا تھا۔ جس طرح بنگال سے اردو کے سب سے پہلے اخبار جامِ جہاں نما کا سہرا منشی سدا سکھ لال کے سر ہے اسی طرح پنجاب سے اردو کے پہلے ہفت روزہ ''کوہِ نور'' کے اجراء کا سہرا منشی ہرسکھ رائے کے سر جاتا ہے۔ ۱۸۵۰ء میں

سدا سکھ رائے نے اس کا اجراء کیا تھا جو بعد میں ہفتہ میں تین بار اور پھر ۱۸۸۸ء میں روزنامہ ہو گیا تھا۔ اس اخبار کے مالک اور منشی سدا سکھ رائے تھے لیکن پرنٹر اور پبلشر لاہور کے منشی غلام محمد تھے۔ اخبار بھی لاہور سے ہی شائع ہوتا تھا۔ اس اخبار کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ پنجاب کا بورڈ آف ایڈمنسٹریٹر اس کی سرپرستی کرتا تھا۔ انگریز حکمراں طبقہ نے اس اخبار کو اپنے مفادات اور مقاصد کے لئے جاری کرایا تھا۔ باوجود اس کے سدا سکھ رائے آزادیٔ صحافت کے حق میں تھے اور موقع ملتا تو حکومت پر تنقید سے گریز بھی نہ کرتے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں اخبارات کو قلم بند کرنے اور قلم کو زنجیر پہنانے کے لئے انگریز حکمرانوں کی طرف سے بات چلی تو منشی سدا سکھ رائے نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور اداریہ بھی تحریر کیا۔ ان کے اخبار کوہِ نور نے شمالی ہند کو کئی نامور صحافی دیئے جن میں ہندو بھی تھے، مسلمان بھی اور عیسائی بھی۔ مشہور ناشر، پبلشر اور صحافی منشی نول کشور کوہ نور ہی کی دین تھے۔ منشی سدا سکھ رائے کا کوہِ نور چوالیس سال تک زندہ رہا، کوہِ نور کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس اخبار نے پنجاب میں تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ اردو کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

منشی نول کشور:۔ منشی نول کشور کی شہرت طابع اور ناشر کی حیثیت کے ساتھ ساتھ صحافت میں بھی تھی۔ انہوں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز ۱۹ر جنوری ۱۸۸۵ء کو آگرہ سے ''سفیر آگرہ'' کے نام کے اخبار سے شروع کیا تھا۔ اس اخبار کی عمر زیادہ نہیں ہوئی، لیکن اس اخبار سے اس کی صحافتی صلاحیتوں کا تعارف ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہی انہیں کوہِ نور میں ملازمت ملی تھی۔ کوہِ نور کے مالک اور مدیر منشی ہرسکھ رائے کو ایک ایسے باصلاحیت شخص کی ضرورت تھی جوان کا ہاتھ بٹا سکے۔ انہوں نے اس کے لئے اپنے بھائی رائے مکھن لال کو جو کہ آگرہ میں جج تھے، اپنی ضرورت سے آگاہ کیا۔ ان کی نظر انتخاب منشی نول کشور پر پڑی، کوہِ نور میں ملازمت کے دوران منشی نول کشور نے اخبار نویسی کے رموز و نکات سمجھنے کے علاوہ تجارتی اور کاروباری گر بھی سیکھے۔ ہرسکھ رائے کو جب ڈفریمیشن (ازالہ حیثیت عرفی) کے ایک معاملہ میں سزا ہوئی تو منشی نول کشور نے ہرسکھ رائے کی تمام

تر ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دیا۔ ہر سکھ رائے کی رہائی کے بعد منشی نول کشور نے کوہ نور سے علیحدگی اختیار کر لی اور واپس وطن آگرہ لوٹ آئے۔ یہاں سے لکھنؤ چلے گئے۔ جہاں اس وقت کے انگریز کمشنر ایبٹ کی حوصلہ افزائی اور تعاون سے ۲۳ر نومبر ۱۸۵۸ء کو انہوں نے اپنا مطبع (چھاپہ خانہ) قائم کیا۔ ۱۸۵۹ میں اس مطبع سے اخبار اودھ جاری کیا جو پہلے ہفت روزہ تھا پھر ہفتے میں تین مرتبہ شائع ہونے لگا۔ جون ۱۸۷۷ء میں روزنامہ ہو گیا۔ یہ اخبار اپنے زمانے کا معیاری اخبار مانا جاتا تھا۔ اس کا خبروں کا اپنا نیٹ ورک تھا۔ یہ پہلا اخبار تھا جس نے اپنے نامہ نگاروں کو تنخواہوں کی پیشکش کی تھی جو نقد کی شکل کے علاوہ خبروں کے عوض میں اخبار اور کتابوں کی شکل میں بھی دی جاتی تھی۔ نامہ نگاروں کے نام پوشیدہ رکھے جاتے تھے، خبریں ڈاک سے آتی تھیں۔

انگریزوں سے بہتر روابط اور اثر و رسوخ کے باوجود منشی نول کشور کو جہاں کہیں ہندوستانیوں پر زیادتی ہوتی نظر آتی تو اودھ اخبار اس پر اپنے احتجاج درج کراتا تھا۔ اردو اور ہندی کا جب تنازعہ شروع ہوا تو اودھ اخبار اس کے ایڈیٹر منشی نول کشور نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ہندی اور اردو دونوں کی حمایت میں مضامین شائع کئے لیکن اپنا وزن اردو کے پلڑے میں ڈالا۔ "فروری ۱۸۶۸ کی اشاعت میں اودھ نے صاف صاف لکھا کہ اردو زبان جس کی لوگ مخالفت کر رہے ہیں یہ دراصل مسلمانوں اور ہندوؤں کے میل جول سے بالکل اسی طرح وجود میں آئی ہے جیسے انگلستان میں فرانسیسی کے امتزاج سے انگریزی نے جنم لیا تھا۔ اردو میں دوسری زبانوں کے وہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو کھپ جائیں۔ ان الفاظ کے استعمال میں خاص سلیقہ ہوتا جاتا ہے۔ اودھ اخبار نے لکھا کہ یہ کون سی عقل کی بات ہے کہ اردو کے عوض جو نہایت شیریں اور شستہ زبان ہے اور جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے اس کی جگہ ہندی کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔"

منشی نول کشور مذہبی رواداری پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی شخصیت تعصب سے پاک تھی۔ وہ وسیع المشرب انسان تھے، انہوں نے عمر زیادہ نہ پائی۔ ۲۹ر فروری ۱۸۹۰ میں ۵۹ سال

کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بحیثیت ناشر اور طابع انہوں نے اردو کی بڑی خدمت انجام دی تھی۔ انہوں نے مشرقی علوم کے بیش بہا خزینہ کو ضائع ہونے سے بچایا اور ان علوم کی نایاب کتابوں کو اہتمام کے ساتھ اور متن کے ساتھ شائع کیا۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کے نادر ادبی، علمی مخطوطات اور مطبوعات بھی منہ مانگے اور مہنگے داموں حاصل کیں۔ منشی نول کشور نے کم وبیش چار ہزار کتابیں اپنے مطبع سے شائع کی ہیں۔ ڈھائی ہزار کتابیں طبع زاد، پانچ سو کتابیں تراجم پر مشتمل بتائی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے قرآن پاک کے تراجم اور تفاسیر بھی انتہائی دیدہ زیب طریقہ پر شائع کیں اور قیمت بھی کم رکھی۔ اس زمانہ میں منشی نول کشور کے مطبع کے بعد کوئی دوسرا مطبع نہ تھا جس میں پچپن مشینیں طباعت کی تھیں۔ ملازمین کا عملہ بارہ سو افراد پر مشتمل تھا جو بارہ شعبوں میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے اس کی ایک شاخ کان پور میں بھی قائم کی تھی جہاں سولہ مشینیں تھیں اور ایک شاخ پٹیالہ میں قائم کی جہاں سے پٹیالہ نام کا اخبار بھی ۱۸۸۰ تک جاری رہا۔ یہ اخبار منشی نول کشور کی ملکیت تھا۔ منشی نول کشور کا ایک بڑا کارنامہ پیپر مل کا قیام بھی تھا جو لکھنؤ میں قائم کی گئی تھی۔

حرام خوری کی نحوست

حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ جو شخص مال حرام کھاتا ہے اس کے اعضاء خواہ مخواہ نافرمان ہو جاتے ہیں اس کو خبر ہو یا نہ ہو اور جس کی غذا حلال ہوتی ہے اس کے اعضاء اطاعت کرتے ہیں اور اس کو خیرات کی توفیق ہوتی ہے۔

"وقال سهيل رضي الله عنه مَنْ أكَلَ الْحَرَامَ عَصَتْ جَوَارِحُهُ شَاءَ أَمْ أَبَى عَلِمَ أَوْلَمْ يَعْلَمْ وَمَنْ كَانَتْ طُعْمَتُهُ حَلَالاً إطَاعَتِهِ جَوَارِحُهُ وَوُفِقَتْ لِلْخَيْرَاتِ"

(احیاء العلوم، ۲/۸۶) ماخوذ از تفسیری خطبات

فتاویٰ

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

سوال……کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شہر کی جامع مسجد میں ہر نماز کے وقت، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء جس وقت تکبیر تحریمہ کہہ کر باجماعت نماز شروع کی جاتی ہے عین اسی وقت ایک شخص مستقل امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اور اپنی نماز جماعت سے علیحدہ ہو کر صرف ایک صف کے فاصلے پر آگے یا پیچھے شروع کرتا ہے، یا تلاوت قرآن میں مصروف ہوتا ہے، کبھی کبھی جماعت کے افراد کے زیادہ ہو جانے پر اس شخص کا یہ عمل جماعت کی صفوں کے بیچ میں آجاتا ہے۔

مذکورہ شخص کا یہ عمل کافی لمبے عرصے سے چلا آرہا ہے، وضاحت سے مسئلہ کی شرعی حیثیت کے بارے میں راہنمائی فرمائیں کہ اس شخص کے لیے کیا حکم ہے اور جماعت کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب مذکورہ صورت میں شخص مذکور کا یہ فعل شرعاً سخت ممنوع اور ناپسندیدہ ہے، ایک تو مسجد میں ہوتے ہوئے بلا عذر کے جماعت چھوڑنے کی وجہ سے اور دوسرے جماعت کی مخالفت کی وجہ سے، لہٰذا اسے اپنے اس فعل سے باز آنا چاہئے، اہل محلہ ومسجد پر لازم ہے کہ وہ خیر خواہی کے جذبے سے، مخلصانہ طور پر تنہائی میں، شفقت ونرمی کے ساتھ اسے جماعت کی فضیلت سنا کر جماعت میں شریک ہونے کے لیے تیار کریں اور اس کے لیے اللہ پاک سے دعائیں بھی مانگیں، ہماری دعاؤں اور جہد مسلسل کی برکت سے اگر اللہ پاک اسے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والا بنادے تو یہ یقیناً ہماری نجات کے لیے آخرت میں بہت بڑا سرمایہ ہوگا۔

سوال……کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام درجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں

میرے والد صاحب میرے دادا کی زندگی میں وفات پاگئے تھے، اور میرے والد صاحب کے دو بھائی اور بھی ہیں (یعنی میرے دو سگے چاچے) میرے دادا صاحب اپنی

جائیداد اپنے بیٹوں کے برابر مجھے بھی دینے لگے، کچھ لوگوں نے اس پر دادا محترم کو کہا کہ بیٹوں کے برابر پوتے کا حصہ نہیں بنتا، اس کے باوجود میرے دادا نے اپنے بیٹوں کے برابر مجھے بھی حصہ دیا، جس پر میرے دونوں چچا بھی راضی تھے اور کچھ ایسی زمین تھی جس کو دریا کے خطرے کی وجہ سے ہم نے تقسیم نہیں کیا تھا، اب میرے دونوں چچے اس زمین میں سے مجھے حصہ نہیں دینا چاہتے ہیں۔ اور سابقہ تقسیم شدہ زمین میں سے بھی کچھ زمین واپس لینا چاہتے ہیں، برائے مہربانی درج ذیل سوالوں کی وضاحت فرمائیں:

(۱) دادا نے جو حصہ چچاؤں کی رضامندی سے مجھے دیا وہ میرے لیے حلال ہے یا حرام؟

(۲) چچا صاحبان ابھی جس زمین میں سے مجھے حصہ نہیں دینا چاہتے ہیں، کیا ان دونوں کا یہ اقدام درست و جائز ہے؟

(۳) دادا نے جو زمین مجھے دی اور میرے قبضے میں بھی ہے کیا اس زمین کا کچھ حصہ یا ساری جائیداد وہ واپس لے سکتے ہیں؟ اور میری رضامندی کے بغیر اگر زمین واپس لے لیں تو وہ زمین ان کے لیے حلال ہوگی یا حرام؟

جواب (۱) زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا ہبہ کہلاتا ہے، اور ہبہ میں مالک کو اختیار ہے کہ جس کو جتنا چاہے، دے، لہٰذا آپ کے دادا نے اگر آپ کو کچھ دیا ہے اور آپ کا اس پر مکمل قبضہ ہو چکا ہے تو وہ آپ کی ملکیت ہے، اور آپ کے لیے حلال ہے۔

(۲) جس زمین کو دریا کے خطرے کی وجہ سے تقسیم نہیں کیا گیا، اس میں ہبہ تام نہیں ہوا، لہٰذا وہ زمین دادا کی میراث میں داخل ہے، اس کو ان کے ورثاء میں شریعت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ آپ اپنے دونوں چچا کی وجہ سے اپنے دادا کے ورثہ میں نہیں ہیں ان کے مرنے کے بعد ان کی وراثت میں آپ کا حصہ نہیں ہے۔

(۳) تقسیم شدہ زمین پر اگر آپ کا مکمل قبضہ ہو چکا ہے تو آپ کے چچاؤں کا وہ زمین آپ سے زبردستی لینا جائز نہیں۔

شعبہ تحفظ ختم نبوت جامعہ مظاہر علوم سے

شائع ہونے والے رسائل

(۱) اظہار البطلان لدعویٰ مسیح قادیان:

یہ کتاب حضرت مولانا حبیب احمد صاحب کیرانویؒ کی بلند پایہ تالیف ہے، جو انہوں نے ۸۵ برس قبل قادیانی بالخصوص لاہوری پارٹی کی تردید میں تحریر فرمائی تھی، اب جدید کتابت وطباعت سے آراستہ ہو کر مولانا محمد راشد صاحب گورکھپوری کے مفید حواشی واضافات کے ساتھ شعبہ ختم نبوت جامعہ مظاہر علوم سے شائع ہو چکی ہے، جس کی قیمت پندرہ روپیہ ہے ضرورت مند حضرات رابطہ کریں۔

(۲) فتنہ قادیانیت کو پہچانئے:

یہ رسالہ ۳۲ صفحات پر مشتمل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کی تالیفات میں سے ہے، اس کتابچہ میں ختم نبوت، حیات عیسیٰؑ اور ظہور مہدی سے متعلق مرزائی تلبیسات کا رد، کافر، مرتد اور زندیق کا فرق، قادیانی مردہ کو مسلم قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا، کسی قادیانی سے مسلمان کا نکاح درست نہ ہونا، سوال وجواب کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

(۳) اسلام اور مرزائیت کا سیدھانتک مت بھید:

یہ کتابچہ ہندی زبان میں ۳۱ صفحات پر مشتمل حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی تالیف ہے، اس میں اسلام اور مرزائیت کے اصولی اختلافات بیان کئے گئے ہیں۔

(۴) قادیانیت کیا ہے؟

یہ آٹھ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے، جس میں مستند مرزائی کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ مرزائی قادیانی نے نہ صرف یہ کہ نبوت کا دعویٰ بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے برتر ہونے کی ناپاک جسارت بھی کی ہے۔

R.N.I. REGD. NO. 62469-95 U.M.





MADRASA MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR 247001(U.P.)INDIA
PH:0132-2655542 , FAX:0132-2659912
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com